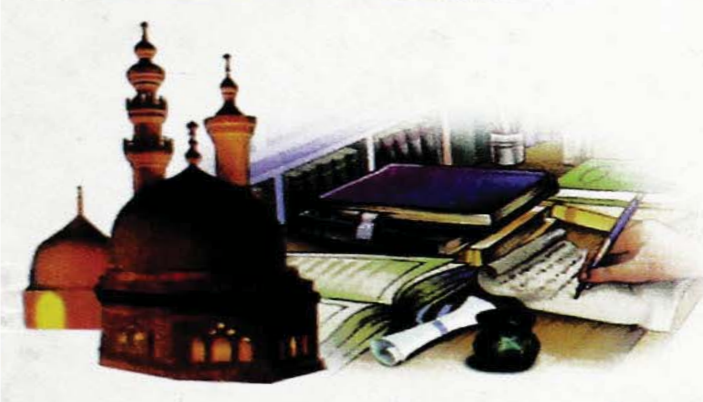
دورۂ حدیث، مشکوٰۃ اور ہدایہ کے طلباء و طالبات کے لیے ابواب البیوع کا مدلل اور انمول تحفہ

مصباح الملہم

خلاصۂ صحیح مسلم

جس میں صحیح مسلم کے ابواب البیوع، ایمان و نذور، اقضیہ، ہبہ اور فرائض وغیرہ کی احادیث کو مختصر اور عام فہم انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام کے اختلافات کو بھی احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے نیز یہ خلاصہ صحاح ستہ کے ابواب البیوع کے لیے بھی ممد و معاون ثابت



مؤلف

مولانا عبد الرؤف مانسہروی

فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن، مدرس جامعہ بیت السلام ملیر کراچی



معرکۃ الآراء ''ابواب البیوع'' کا مدلل مجموعہ

دورۂ حدیث، مشکوۃ، اور ہدایہ کے طلبا وطالبات کے لئے انمول تحفہ

مصباح الملہم خلاصہ صحیح مسلم

جس میں صحیح مسلم کے ابواب البیوع، ایمان ونذور، صحبۃ الممالیک، کتاب الاقضیہ، ہبہ، لقطہ اور فرائض وغیرہ کی احادیث کو مختصر اور عام فہم انداز میں حل کرنے کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام کے اختلافات کو بھی احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ انمول تحفہ طلبا وطالبات کے لئے نا صرف صحیح مسلم کے حل کے لئے معاون ہوگا، بلکہ صحاح ستہ کے ''ابواب البیوع'' بھی اس سے بآسانی حل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

مؤلف

مولانا عبدالرؤف مانسہروی

فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن

مدرس جامعہ دارالسلام ملیر کراچی

مکتبہ عمر فاروق

نام کتاب.................مصباح الملہم

مؤلف.................مولانا عبد الرؤف مانسہروی

اشاعت اول.................اپریل 2017ء

تعداد.................1100

طابع.................القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر.................مکتبہ عمر فاروق 491/4 شاہ فیصل کالونی کراچی

021 34594144 cell: 03343432345

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے، جزاکم اللہ خیرا

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

ادارۃ الانور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

مکتبۃ العارفی، جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ

وحیدی کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست ابواب

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	فہرست ابواب	۳
۲	عرض مؤلف	۱۷
۳	انتساب	۱۸
٤	كتاب البيوع	۱۹
٥	نفس (عقد) بیع کی حیثیت سے بیع کی اقسام	۱۹
٦	ثمنیت کے اعتبار سے بیع کی اقسام	۲۰
۷	بدل کے اعتبار سے بیع کی اقسام	۲۱
٨	باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة	٢٢
٩	باب بطلان بيع الحصاة وبيع الغرر	٢٣
١٠	باب تحريم بيع حبل الحبلة	٢٤
١١	باب تحريم بيع الرجل علىٰ بيع أخيه	٢٥
١٢	"بيع الرجل علىٰ بيع أخيه" کی چار قسمیں	۲۶
١٣	ولا يخطب علىٰ خطبة أخيه	٢٦
١٤	"خطبة الأخ علىٰ خطبة أخيه" کی تین صورتیں	۲۶
١٥	تحريم النجش	٢٧
۱۶	نجش کی دو تعریفیں	۲۷

نمبر	عنوان	صفحہ
١٧	باب تحريم تلقي الجلب	٢٨
١٨	تلقي الجلب کی تعریف اور صورتیں	٢٨
١٩	اس کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف	٢٩
٢٠	حد تلقی	٣٠
٢١	باب تحريم بيع الحاضر للبادي	٣١
٢٢	اس بیع کی حرمت میں ائمہ کا اختلاف	٣١
٢٣	دفع وہم	٣٢
٢٤	هل ينعقد البيع أم لا؟	٣٢
٢٥	باب: حكم بيع المصراة	٣٢
٢٦	لفظ ''لا تصروا'' کی صرفی تحقیق	٣٣
٢٧	تصریۃ کی تعریف	٣٣
٢٨	مذاہب ائمہ	٣٤
٢٩	ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنے کی پہلی وجہ	٣٥
٣٠	دوسری وجہ	٣٥
٣١	قرآن سے معارضہ	٣٥
٣٢	حدیث سے معارضہ	٣٦
٣٣	اجماع سے معارضہ	٣٧
٣٤	قیاس سے معارضہ	٣٧
٣٥	ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنے کی تیسری وجہ	٣٨
٣٦	باب بطلان بيع المبيع قبل القبض	٤٠

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۷	بیع قبل القبض کا حکم اور اختلاف ائمہ	۴۰
۳۸	بیع الصکاک، یعنی رسیدوں وغیرہ کی بیع	۴۲
۳۹	بیع الصکاک کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۴۳
٤٠	باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر	٤٥
۴۱	غیر معلوم الوزن چیز کی بیع کی چار صورتیں اور ان کا حکم	۴۵
٤٢	باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين	٤٦
۴۳	خیار کی پانچ قسمیں اور ان میں ائمہ کا اختلاف	۴۶
٤٤	باب من يخدع في البيع	٤٩
۴۵	چند اہم باتیں	۴۹
۴۶	الفاظ کا اختلاف	۴۹
۴۷	مدتِ خیار اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۵۰
٤٨	باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوء الصلاح	٥٢
۴۹	قبل بدوء الصلاح اور بعد بدوء الصلاح کی تین تین صورتیں	۵۲
۵۰	ان صورتوں میں جواز اور عدم جواز میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے دلائل	۵۲
٥١	باب تحريم بيع الرطب بالتمر	٥٦
۵۲	بیع الرطب بالتمر کی مختلف صورتیں اور ائمہ کے مذاہب	۵۷
٥٣	إلا بيع العرايا	٥٨
۵۴	عرایا کی تعریف اور اس کی تفسیر میں منقول اقوال ائمہ	۵۸
۵۵	مقدارِ عرایا	۶۰
٥٦	باب من باع نخلا وعليها تمر	٦١

۵۷	بیع النخل بعد التأبیر کا حکم	٦١
۵۸	کیا غلام مالک بن سکتا ہے؟	٦١
٥٩	باب النهي عن المحاقلة والمزابنة	٦٢
٦٠	محاقلہ کے معانی اور اس کا حکم	٦٢
٦١	المعاومۃ اور اس کا حکم	٦٣
٦٢	باب كراء الأرض	٦٤
٦٣	پیداوار میں عامل اور صاحبِ ارض کے اشتراک کی صورتیں	٦٤
٦٤	ان صورتوں میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے دلائل	٦٤
٦٥	كتاب المساقاة	٦٩
٦٦	مساقات کی تعریف اور حکم	٦٩
٦٧	باب فضل الغرس والزرع	٧١
٦٨	باب وضع الجوائح	٧١
٦٩	مسئلہ کی وضاحت ائمہ کے اختلاف کے بیان کے ساتھ	۷۲
٧٠	باب استحباب الوضع من الدين	٧٤
۷۱	افلاس کی مختلف نوعیتیں اور ہر ایک کا حکم	۷۵
٧٢	باب تحريم مطل الغني وصحة الحوالة	٧٧
۷۳	غنی شخص کا حوالہ قبول کرنا	۷۸۰
٧٤	باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة	٧٨
۷۵	پانی کی چار قسمیں اور ہر قسم کا حکم	۷۸
۷۶	خودرو گھاس کا مسئلہ، اقسام اور ان کا حکم	۷۹

نمبر	عنوان	صفحہ
٧٧	باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن	٨١
٧٨	زانیہ کی اجرت، کاہن کی کمائی، بلی کی بیع اور کتے کے ثمن کا بیان	٨١
٧٩	کلب صید، کلب حراسہ اور کلب ماشیہ سے متعلق ائمہ کا اختلاف اور دلائل	٨٢
٨٠	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	٨٣
٨١	باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه	٨٥
٨٢	قتل کلاب کے حکم کے منسوخ ہونے کے ادوار	٨٥
٨٣	اقتناء کلب کی صورتیں اور ان کا حکم	٨٦
٨٤	باب حل أجرة الحجامة	٨٨
٨٥	اجرت حجامہ کا حکم میں ائمہ کا اختلاف	٨٨
٨٦	باب تحريم بيع الخمر	٩٠
٨٧	حرمتِ خمر کے مختلف ادوار	٩١
٨٨	باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام	٩٢
٨٩	شرح حدیث	٩٢
٩٠	باب الربا	٩٣
٩١	ثبوتِ حرمتِ ربا	٩٣
٩٢	باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقدا	٩٥
٩٣	سونے یا چاندی کا ہار سونے یا چاندی کے عوض بیچا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟	٩٦
٩٤	باب أخذ الحلال وترك الشبهات	٩٦
٩٥	اس روایت کو ابواب البیوع میں ذکر کرنے کی وجہ	٩٨
٩٦	باب بيع البعير واستثناء ركوبه	٩٨

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۷	شرح حدیث اور ائمہ کے اختلاف کا بیان	۹۹
۹۸	احناف کی طرف سے روایتِ جابر کا جواب	۱۰۰
۹۹	باب جواز اقتراض الحيوان	۱۰۱
۱۰۰	جانور کو قرض پر لینے سے متعلق ائمہ کا اختلاف	۱۰۱
۱۰۱	ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جوابات	۱۰۱
۱۰۲	اشکال اور اس کا جواب	۱۰۲
۱۰۳	باب جواز بيع الحيوان بالحيوان	۱۰۲
۱۰٤	باب الرهن وجوازه في الحضر والسفر	۱۰٤
۱۰۵	رہن کا لغوی واصطلاحی معنی	۱۰۴
۱۰٦	کیا رہن صرف سفر میں جائز ہے؟	۱۰۴
۱۰۷	باب السلم	۱۰۵
۱۰۸	سلم کا لغوی واصطلاحی معنی، سلم کی اصطلاحات اور شرائط	۱۰۵
۱۰۹	باب تحريم الاحتكار في الأقوات	۱۰۸
۱۱۰	احتکار کا اطلاق کن صورتوں میں ہوگا؟	۱۰۸
۱۱۱	باب النهي عن الحلف في البيع	۱۰۹
۱۱۲	شرح حدیث	۱۰۹
۱۱۳	باب الشفعة	۱۱۰
۱۱۴	شفعہ کا لغوی واصطلاحی معنی	۱۱۰
۱۱۵	کن چیزوں میں شفعہ ہوسکتا ہے؟	۱۱۱
۱۱٦	ترتیبِ شفعہ	۱۱۱

۱۱۷	ائمہ ثلاثہ کے ہاں صرف شریک فی نفس المبیع شفعہ کرسکتا ہے	۱۱۱
۱۱۸	ائمہ ثلاثہ کا استدلال	۱۱۱
۱۱۹	احناف کا مسلک، دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب	۱۱۲
۱۲۰	باب غرز الخشبة في جدار الجار	۱۱۲
۱۲۱	باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها	۱۱۳
۱۲۲	شرح حدیث	۱۱۳
۱۲۳	باب قدر الطريق إن اختلفوا فيه	۱۱٤
۱۲۴	زمینوں کے مابین راستوں میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟	۱۱۴
۱۲۵	كتاب الفرائض	۱۱٤
۱۲۶	ذوی الفروض	۱۱۵
۱۲۷	عصبہ	۱۱۵
۱۲۸	ذوی الارحام	۱۱۶
۱۲۹	لایرث المسلم الکافر	۱۱۷
۱۳۰	اختلافِ دین مانع ارث ہے	۱۱۷
۱۳۱	ألحقوا الفرائض بأهلها	۱۱۸
۱۳۲	﴿يوصيكم الله في أولادكم﴾ کی توضیح	۱۱۸
۱۳۳	''کلالہ'' کی مراد میں اختلاف اقوال	۱۱۹
۱۳٤	باب آخر آية أنزلت آية الكلالة	۱۲۰
۱۳۵	كتاب الهبات	۱۲۱
۱۳۶	رجوع فی الہبۃ کا حکم اور ائمہ کا اختلاف	۱۲۲

١٣٧	ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب	١٢٣
١٣٨	باب العمرى	١٢٣
١٣٩	عمریٰ کی تین قسمیں اور ان کا حکم	١٢٤
١٤٠	جمہور کے دلائل	١٢٤
١٤١	امام مالکؒ کے دلائل	١٢٥
١٤٢	جمہور کی طرف سے امام مالکؒ کی دلیل کا جواب	١٢٥
١٤٣	كتاب الوصية	١٢٦
١٤٤	وصیت کے معنی، حکم اور صورتیں	١٢٦
١٤٥	لا هجرة بعد الفتح	١٢٨
١٤٦	حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ سے تعلق امام نووی رحمہ اللہ کے اقوال	١٢٨
١٤٧	باب وصول ثواب الصدقات إلىٰ الميت	١٢٩
١٤٨	ایصال ثواب کا مسئلہ	١٢٩
١٤٩	باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته	١٣١
١٥٠	كتاب الوقف	١٣١
١٥١	وقف کا لغوی و اصطلاحی معنی	١٣٢
١٥٢	وقف پر جاری ہونے والے احکام	١٣٢
١٥٣	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف غلط نسبت	١٣٢
١٥٤	امام صاحبؒ کے نزدیک وقف کی صورتیں اور ان کا حکم	١٣٣
١٥٥	باب ترك الوصية	١٣٤
١٥٦	واقعہ قرطاس اور شیعوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات	١٣٥

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵۷	چند مفید باتیں	۱۳۶
۱۵۸	كتاب النذر	۱۳۷
۱۵۹	شرائط نذر، نذر کی صورتیں اوران کا حکم	۱۳۷
۱۶۰	باب من نذر أن يمشي إلى كعبة الله	۱۳۹
۱۶۱	شرح حدیث	۱۳۹
۱۶۲	رکوب کی وجہ سے کیا لازم ہوگا؟	۱۴۰
۱۶۳	احناف، حنابلہ اور موالک کے اقوال	۱۴۰
۱۶۴	مسجد حرام، یا حرم تک چلنے کی نذر ماننے کا حکم	۱۴۲
۱۶۵	كتاب الأيمان	۱۴۳
۱۶۶	اقسام الیمین اوران کا حکم	۱۴۴
۱۶۷	باب من حلف باللات والعزى	۱۴۵
۱۶۸	باب من حلف يمينا فرأى غيرها ......إلخ	۱۴۶
۱۶۹	کفارہ قبل الحنث کا حکم اور ائمہ کا اختلاف	۱۴۷
۱۷۰	باب الاستثناء في اليمين وغيرها	۱۴۹
۱۷۱	باب نذر الكافر وما يفعل فيه إن أسلم	۱۵۰
۱۷۲	زمانۂ کفر کی مانی ہوئی نذر کا حکم	۱۵۰
۱۷۳	باب صحبة المماليك	۱۵۲
۱۷۴	"ما لي فيه من الأجر" کی وضاحت	۱۵۲
۱۷۵	باب التغليظ على من قذف مملوكه بالزنا	۱۵۴
۱۷۶	باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه	۱۵۵

۱۷۷	شرح حدیث	۱۵۵
١٧٨	باب ثواب العبد وأجره إذا نصح لسيده	١٥٧
۱۷۹	نفلی حج کا حکم	۱۵۹
١٨٠	باب من أعتق شركا له في عبد	١٥٩
۱۸۱	کیا عتق تجزی کو قبول کرتا ہے؟	۱۵۹
۱۸۲	کیا معتق کے شریک کے لئے غلام سے کمائی کرانا جائز ہے؟	۱۶۰
١٨٣	باب جواز بيع المدبر	١٦٥
١٨٤	كتاب القسامة	١٦٨
۱۸۵	قسامت کس پر ہوگی؟، اختلاف ائمہ، دلائل اور احناف کا جواب	۱۶۹
١٨٦	باب حكم المحاربين والمرتدين	١٧٤
۱۸۷	ماکول اللحم جانوروں کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۱۷۵
۱۸۸	تداوی بالحرام کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۱۷۷
۱۸۹	محاربین کے احکام	۱۷۹
١٩٠	باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر وغيره	١٨١
۱۹۱	قتل کی قسمیں اور ان کے احکام	۱۸۲
۱۹۲	ایک اختلافی مسئلہ کا بیان	۱۸۳
۱۹۳	کیا اشارہ سے حکم ثابت ہوتا ہے؟	۱۸۵
۱۹۴	قصاص بالمثل کا حکم	۱۸۵
١٩٥	باب الصائل علىٰ نفس الإنسان	١٨٧
١٩٦	باب إثبات القصاص في الأسنان	١٨٨

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۹۷	قصاص فی الاطراف کا مسئلہ	۱۹۰
۱۹۸	باب ما يباح به دم المسلم	۱۹۰
۱۹۹	کیا مسلمان ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا"	۱۹۱
۲۰۰	باب بيان إثم من سن القتل	۱۹۲
۲۰۱	باب المجازاة بالدماء في الآخرة	۱۹۳
۲۰۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۹۳
۲۰۳	باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض	۱۹٤
۲۰۴	"أربعة حرم" کی وضاحت	۱۹۵
۲۰۵	اشہر حرم میں قتال کا حکم	۱۹۶
۲۰۶	باب صحة الاقرار بالقتل والقصاص	۱۹۷
۲۰۷	"هل لك من شيء تؤديه" سے استدلال ائمہ	۱۹۹
۲۰۸	شبہ عمد کی صورت میں دیت مغلظہ کی ادائیگی کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف	۱۹۹
۲۰۹	باب دية الجنين	۲۰۲
۲۱۰	غرۃ کی توضیح	۲۰۲
۲۱۱	كتاب الحدود	۲۰۵
۲۱۲	باب حد السرقة	۲۰۵
۲۱۳	حد کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۲۰۵
۲۱۴	سات جرائم کے معاملے میں سزائیں مقرر ہیں	۲۰۵
۲۱۵	چوری کا نصاب اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۲۰۶
۲۱۶	باب قطع السارق شريفا كان أو وضيعا	۲۰۹

٢١٧	باب حد الزنا	٢١٢
٢١٨	غیر شادی شدہ زانی کی سزا	٢١٢
٢١٩	تغریب عام سے متعلق فقہاء کا اختلاف	٢١٣
٢٢٠	اگر کوئی لڑکی بدون زواج کے حاملہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	٢١٧
٢٢١	باب من اعترف علی نفسه بالزنا	٢١٨
٢٢٢	باب رجم اليهود وأهل الذمة في الزنا	٢٢١
٢٢٣	باب حد الخمر	٢٢٢
٢٢٤	شارب خمر کی حد میں اختلاف فقہاء	٢٢٣
٢٢٥	"ولِّ حارَّها من تولّى قارّها" کی وضاحت	٢٢٤
٢٢٦	باب قدر أسواط التعزيز	٢٢٥
٢٢٧	کیا تعزیری سزا دس کوڑوں سے زیادہ دی جا سکتی ہے؟	٢٢٦
٢٢٨	باب الحدود كفارات لأهلها	٢٢٧
٢٢٩	حدود زواجر ہیں یا کفارات؟	٢٢٨
٢٣٠	باب جرح العجماء جبار	٢٣٠
٢٣١	الفاظ حدیث کی وضاحت	٢٣٠
٢٣٢	رکاز سے متعلق ائمہ کا اختلاف	٢٣١
٢٣٣	احناف کی طرف سے حدیث الباب کا جواب	٢٣٢
٢٣٤	**كتاب الأقضية**	٢٣٢
٢٣٥	لغوی واصطلاحی معنی	٢٣٢
٢٣٦	باب اليمين على المدعىٰ عليه	٢٣٣

٢٣٧	باب وجوب الحكم بشاهد واحد	٢٣٤
۲۳۸	کیاایک گواہ اور قسم کافی ہیں؟ائمہ کا اختلاف اور ادلہ کا بیان	۲۳۴
٢٣٩	باب الحكم بالظاهر واللحن بالحجة	٢٣٥
۲۴۰	املاک کی اقسام	۲۳٦
٢٤١	باب قضية هند	٢٣٧
۲۴۲	فوائد حدیث	۲۳۸
۲۴۳	عورت کونفقہ کتنا ملے گا؟	۲۳۸
٢٤٤	باب النهي عن قيل وقال وكثرة السوال	٢٣٩
٢٤٥	باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان	٢٤١
٢٤٦	باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور	٢٤٢
۲۴۷	بدعت کی پانچ قسمیں	۲۴۲
٢٤٨	باب بيان خير الشهود	٢٤٣
۲۴۹	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۴۳
٢٥٠	باب بيان اختلاف المجتهدين	٢٤٤
٢٥١	**كتاب اللقطة**	٢٤٥
۲۵۲	لقطہ اٹھانے کا حکم	۲۴٦
۲۵۳	لقطہ کو استعمال کرنے کا حکم اور ائمہ کا اختلاف	۲۴۷
٢٥٤	باب في لقطة الحاج	٢٥١
٢٥٥	باب تحريم حلب الماشية بغير إذن مالكها	٢٥١
٢٥٦	باب الضيافة	٢٥٣

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۵۷	ضیافت کا حکم	۲۵۴
٢٥٨	باب خلط الأزواد إذا قلت	٢٥٥
۲۵۹	الفاظ حدیث کی وضاحت	۲۵۵
٢٦٠	كتاب الجهاد	٢٥٦
۲۶۱	لغوی واصطلاحی معنی	۲۵۷
۲۶۲	جہاد کی اقسام	۲۵۸
۲۶۳	تبلیغ اسلام کے طریقے	۲۵۸
٢٦٤	باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصيته إياهم	٢٦١
۲۶۵	شرح حدیث	۲۶۲
٢٦٦	باب جواز الخداع في الحرب	٢٦٢
٢٦٧	باب كيفية قسمة الغنيمة بين الحاضرين	٢٦٣
۲۶۸	حاضر مجاہدین کے درمیان غنیمت کی تقسیم کا طریقہ	۲۶۳

☆☆☆☆☆☆

عرض مؤلف

حامداً ومصلیاً

خداوند قدوس کا احسان ہے کہ اس نے خدمتِ حدیث کی توفیق بخشی، اور احقر صحیح مسلم کے ''ابواب البیوع'' کی تلخیص مع مختصر تشریحات کرنے میں کامیاب ہوا۔

اس خلاصہ کا طرز یہ رہا ہے کہ اولاً ہر ہر باب کی پہلی حدیث کا آسان ترجمہ نقل کیا، اس کے بعد اس حدیث سمیت باب کی بقیہ احادیث سے متعلق بھی جو جو اہم مباحث تھیں ان کی اختصار کے ساتھ تشریح کی اور فقہی اختلافی مسائل کو ائمہ کرام کے دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ نیز مشکل الفاظ کے معانی، ان کی تحقیق اور ان کے صحیح تلفظ کی بھی رہنمائی کی۔

میں برادرم جناب مولانا ابوعفراء بن محمد ریاض صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ جنہوں نے اس کام کی نا صرف تصحیح، پروف ریڈنگ اور نظر ثانی کی، بلکہ جہاں جہاں اصلاحات، اضافات اور قطع و برید کی ضرورت تھی، اس ضرورت کو بھی پورا کیا۔

مگر اس سب کے باوجود چونکہ کوئی بھی فرد بشر خطا سے خالی اور پاک نہیں، میں قارئین سے یہ التماس کرتا ہوں کہ اگر آپ کو اس میں کوئی بھی غلطی نظر آئے تو بندہ کو اس کی اطلاع کریں، تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کردی جائے۔

آخر میں تمام ترکمیوں کے باوجود بارگاہ الٰہی میں دعاگو ہوں کہ وہ اس خلاصہ کو طلباء وطالبات کے لئے قبول فرمائے اور اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

بقلم خود: عبدالروف مانسہروی 0333 3391535

فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن، مدرس جامعہ دارالسلام کراچی

انتساب

بندۂ ناچیز اس خلاصہ کو بصد اخلاص واحترام ان محدثین کی سعید روحوں کے نام کرتا ہے جنہوں نے تپتے صحراؤں، سلگتے ریگستانوں اور فلک بوس پہاڑوں کو عبور کر کے حدیث کی خدمت کی اور دن رات کے فقر وفاقہ اور جور وجفا وظلم وستم کی گھٹاٹوپ آندھیوں کو برداشت کر کے نفرت اور بغض کے لامتناہی اندھیروں میں قرآن وحدیث کے چراغ کو ہاتھوں میں لے کرامت کو روشن کرتے رہے۔

اور اپنے والد محترم کے نام کرتا ہوں جنہوں نے ہروقت اپنی خصوصی دعاؤں میں بندہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ کو دار فانی سے دار باقی کی طرف اور فصل سے وصل کی طرف چلے گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدۂ ور پیدا

اے اللہ! والد محترم کی کامل مغفرت فرما۔

بقلم خود عبد الرؤف مانسہروی عفی عنہ

کتاب البیوع

بیوع: ''بیع'' کی جمع ہے اور ''بیع'' مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں آتی، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ "الـمَصْدَرُ لا يُثَنّى ولا يُجْمَعُ" (کہ مصدر کا نہ تثنیہ آتا ہے اور نہ جمع)، لیکن مختلف انواع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مصدر کی جمع لائی جاسکتی ہے اور یہاں جمع لانے کا یہی مقصد ہے۔

بیع کی تعریف

لغة: "مبادلة الشيء بالشيء" کہ ایک چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

واصطلاحا: "مبادلة المال بالمال بالتراضي" کہ باہمی رضامندی کے ساتھ مال کا مال کے عوض تبادلہ کرنا۔

ارکانِ بیع

ایجاب وقبول۔

حکم بیع

مبیع کا مشتری کی ملکیت میں آجانا اور ثمن کا بائع کی ملکیت میں آجانا۔

اقسام بیع

بیع کی ''من حیث البیع'' چار قسمیں ہیں:

۱۔نافذ، ۲۔موقوف، ۳۔فاسد، ۴۔باطل

۱۔بیع نافذ

"ما يصح أصلاً ووصفاً" ایسی بیع جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح ہو۔

۲۔ بیع موقوف

"ما یصح أصلا ووصفاً ویُفید الملكَ علی سبیل التوقُّفِ لتعلق حقِّ الغَیرِ" کہ ایسی بیع جو اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے صحیح تو ہوتی ہے، مگر غیر کے حق کے متعلق ہونے کی وجہ سے ملک موقوف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی ملک اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔

۳۔ بیع فاسد

"مایصح أصلاً، لا وصفاً ویفید الملكَ عند اتصال القبض به".

وہ بیع جو اصل کے اعتبار سے صحیح ہو، وصف کے اعتبار سے صحیح نہ ہو، یہ بیع ملکیت کا فائدہ تب دیتی ہے جب مبیع پر قبضہ ہو جائے۔

۴۔ بیع باطل

"ما لا یصح أصلا ووصفاً ولایفید الملك بوجه ما" ایسی بیع جو نہ اصل کے اعتبار سے صحیح ہو اور نہ وصف کے اعتبار سے، اور کسی بھی طرح ملک کا فائدہ نہ دے۔

بحیثیت ثمن بیع کی چار قسمیں ہیں:

۱۔تولیہ، ۲۔مرابحہ، ۳۔وضیعہ، ۴۔مساومہ

۱۔ بیع تولیہ

۱۔ نِقلُ ما مَلَکه بالعقدِ الأولِ بالثمنِ الأولِ من غیر زیادة ربح.

۲۔ بیع السِّلعةِ بثمنها الأول بدون الزیادة.

یعنی بائع یہ کہے کہ یہ چیز مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور تجھ کو بھی اتنے میں ہی دوں گا، بغیر زیادتی کے۔

۲۔ مرابحہ

نقلُ ما مَلَکَہُ بالعقدِ الأول بالثمنِ الأولِ مع زیادۃ ربحٍ.

یعنی بائع یہ کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے، البتہ نفع کے ساتھ تجھ کو اتنے میں دوں گا۔

۳۔ وضیعہ

بیعُ السلعۃ بدونِ الثمن الأولِ.

یعنی بائع یہ کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے، لیکن میں کم کر کے دے رہا ہوں۔

۴۔ مساومہ

ما لم یُذکر فیہ ثمنُ العقد الأول.

یعنی ایسی بیع جس میں عقد اول کے ثمن کو بیان نہ کیا جائے، بلکہ بائع اور مشتری کا جس ثمن پر بھی اتفاق ہو جائے اس پر مبیع کو فروخت کرنا ''بیع مساومہ'' کہلاتا ہے، جیسا کہ عام طور پر بیوع ایسی ہی ہوتی ہیں۔

بیع کی باعتبار بدل چار اقسام

۱۔ بیع مطلق، ۲۔ بیع صرف، ۳۔ بیع سلم، ۴۔ بیع مقایضہ۔

۱۔ بیع مطلق

بیع العین بالدین کبیع الحنطۃ بالدرھم.

بیع مطلق یہ ہے کہ ثمن کے بدلے میں سامان دیا جائے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔

۲۔ بیع صرف

بیع الدین بالدین کبیع الدرھم بالدینار.

یعنی دونوں طرف نقدی ہو۔

۳۔بیع سلم

بيع الدين بالعين، أي: بيع العاجل بالآجل.

اس بیع میں مبیع دین ہوتی ہے، یعنی فی الحال واجب نہیں ہوتی، بلکہ واجب فی الذمہ ہوتی ہے اور ثمن فی الحال واجب ہوتا ہے۔

۴۔بیع مقایضہ

بيع العين بالعين كبيع الحنطة بالثوب.

یعنی وہ بیع جس میں سامان کے بدلہ سامان دیا جائے۔

باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة

بیع ملامسہ اور منابذہ کے بطلان کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

ملامسہ اور منابذہ جاہلیت کی بیوعات میں سے ہیں۔

بیع ملامسہ

اس کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں:

(۱) عند الامام الاعظمؒ: بائع مشتری سے کہے: "أبيعك هذا المتاعَ بكذا، فإذا لَمَسْتُكَ وجب البيعُ" یا مشتری یہی بات بائع سے کہے۔

(۲) عند الامام شافعیؒ: کپڑے کے تھان کی بیع کی جائے اور لمس کو رویت کے قائم مقام سمجھا جائے یا اندھیرے میں کسی چیز کی بیع کی جائے اور لمس کو بیع کے قائم مقام بنایا جائے۔

(۳) بیع مقایضہ کے دوران بغیر تامل کے مبیع اور ثمن کے چھونے سے بیع کو لازم کردیا جائے۔

بیع منابذہ

یہ "نبذ المحصاۃ" سے ماخوذ ہے، اس کی دو تعریفیں کی گئی ہیں:

(۱) بائع ومشتری مبیع وثمن کو ایک دوسرے کی جانب پھینک دیں اور اسی سے بیع کو لازم سمجھا جائے۔

(۲) زمین کی بیع کے وقت پتھر پھینکا جائے، جہاں وہ پتھر گرے اس جگہ تک کی زمین کو عقد میں داخل کیا جائے، اس صورت میں یہ "نبذ الحصاۃ" سے ماخوذ ہوگی۔

وجوہ ممانعت

بیع ملامسہ اور منابذہ کے عدم جواز کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱: عدم شمولیت فی تعریف البیع ،۲: تعلیق التملیک علی الخطر ،۳: عدم رضامندی،۴۔ جہالت بیع۔

باب بطلان بیع الحَصَاۃ وبیع الغَرَرِ

کنکری پھینکنے وار دھوکہ والی بیع کے بطلان کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری کی بیع کرنے اور دھوکے فریب کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

بیع الحصاۃ اور منابذہ ایک ہی چیز ہے۔ ''حَصاۃ'' بمعنی کنکری ہے اور اس کی جمع "حَصَیَاتٌ" آتی ہے۔ ابن الاثیرؒ نے ''جامع الاصول'' میں ''بیع الحصاۃ'' کی تعریف اس طرح کی ہے: "الحصاۃ: أن یقول: إذا نبذتُ الحصاۃَ وجب البیع"، یعنی خریدار دکاندار سے کہے کہ جب میں تیرے اس مال پر کنکری پھینک دوں گا تو سمجھ لو کہ بیع ہوگئی۔

غرر کی تعریف

"مَا لَهُ ظَاهِرٌ توثره وباطنٌ تَكْرَهُهُ".

(ذكره ابن الأثير في جامع الأصول)

ایسی چیز جس کا ظاہر تو اچھا ہو، مگر اس کا باطن مکروہ اور ناپسندیدہ ہو، یعنی یہ وہ بیع ہے جس میں مبیع مجہول ہو یا بائع کے قبضہ میں نہ ہو، جیسے: سمندر میں مچھلیوں کی بیع، اڑتے ہوئے پرندوں کی بیع، یا جیسے عبد آبق (بھگوڑے غلام) کی بیع، تو چونکہ ایسی بیع میں مبیع مجہول ہوتی ہے، یا پھر مقدور التسلیم نہیں ہوتی، اس لئے اس میں "غرر" دھوکہ ہے اور دھوکہ والی بیع سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نیز غرر سے بڑا غرر اور بڑا دھوکہ مراد ہے، چھوٹے اور معمولی غرر سے تو کوئی نہیں بچ سکتا، لہذا چھوٹا غرر متحمل ہے۔

باب تحريم بيع حبل الحبلة

حبل الحبلہ کی بیع کے حرام ہونے کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حبل الحبلۃ سے منع فرمایا ہے۔

حبَل (بفتح الباء):

اس کا اطلاق صرف انسان پر ہوتا ہے، جبکہ "حمل" کا اطلاق غیر انسان پر بھی ہوتا ہے۔

حَبلَةٌ جمعُ حَابِلٍ

اس کی چار تفسیریں ہیں اور چوتھی تفسیر غیر معروف ہے۔

ا۔حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہ تفسیر امام ترمذیؒ کی پسند فرمودہ ہے۔

وجوہ ممانعت

الف:حمل کا وجود متیقن نہیں ہے، فقط ممکن ہے۔

ب:غیر مقدور التسلیم ہے۔

ج:حمل زندہ ہوگا یا مردہ۔

۲۔حمل کو بطور اجل متعین کرنا، یعنی یہ شرط لگائے کہ وضع حمل کے وقت ثمن ادا کروں گا، یہ تفسیر امام بخاریؒ کی پسند فرمودہ ہے۔

وجہ منع

جہالت اجل، یعنی اجل و مدت مجہول ہے۔

۳۔حمل کو بطور ثمن متعین کرنا، یعنی جب وضع حمل ہوگا تو حمل کو بیچ کر ثمن کی ادائیگی کروں گا۔

وجہ منع

جہالت اجل۔

۴۔حبلۃ سے مراد ''کرمۃ'' (انگور کا خوشہ) ہے اور حبل سے مراد ظہور ہے، یعنی انگور کی بیع اس کے ظہور سے پہلے ناجائز ہے۔

باب تحريم بيع الرجل علىٰ بيع أخيه

اپنے بھائی کے سودے پر سودا لگانا منع ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔

لا یبیع

یہ نفی بمعنی نہی ہے، اور اس میں عموم ہے، شراء البعض علی البعض کو بھی شامل ہے۔

اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بیع کو صرف دیکھ رہا ہو، بات شروع نہ کی ہو۔

۲۔ بات شروع کر دی ہو، لیکن استقرار ثمن نہیں ہوا ہو۔

۳۔ استقرار ثمن ہو جائے، لیکن خیار شرط موجود ہو۔

۴۔ بیع تام ہو جائے۔

پہلی صورت میں بیع جائز ہے، دوسری صورت میں مکروہ تنزیہی، تیسری صورت میں بیع حرام اور چوتھی صورت میں حرمتِ شدیدہ ہوگی۔

اسی طرح کی چار صورتیں شراء البعض علی البعض کی ہوں گی جن میں بتدریج حرمت میں اضافہ ہوگا۔

ولا یخطبُ علی خطبة أخیه

اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے

اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ خطبے کے بعد معاملہ زیر غور ہو۔

۲۔ میلان کا اظہار کر دیا ہو۔

۳۔ نکاح ہو گیا ہو۔

تینوں صورت میں نہی وارد ہے، اور بالترتیب نہی میں شدت آتی جائے گی۔

نوٹ

اخوت میں عموم ہے، یعنی: اخوت سے مراد اخوت نسبیہ، اسلامیہ، اور وطنیہ تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔

وجہ ممانعت

"لأنه يوغر الصدور ويورث الشحناء" کیونکہ اس طرح کرنے سے آپس میں عداوتیں اور کدورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

تحريم النجش

دھوکہ کی حرمت کے بیان میں

"نجش" کے لغتاً مختلف معنی ہیں:

۱۔ جوش دلانا

۲۔ دوران بیع مبیع کی مدح میں بے جا مبالغہ کرنا

اصطلاحاً دو تعریفیں کی گئی ہیں:

۱۔ أن يزيد الثالثُ في الثمن لا لرغبته.

یعنی "نجش" اس کو کہتے ہیں کہ ایک ایسا شخص سودے کے بھاؤ کو مشتری پر بڑھائے جو خود خریدنا نہیں چاہتا۔

۲۔ أن يذكر الثالثُ الأوصاف التي لا توجد في المبيع، یعنی تیسرا شخص ایسے اوصاف ذکر کرے جو مبیع کے اندر موجود نہ ہوں۔

حکم نجش

بالاجماع حرام ہے، اگر حرمت کے باوجود کسی نے ایسا کرلیا تو ظواہر کے نزدیک عقد

منعقد نہیں ہوگا۔ احناف کے نزدیک عقد منعقد ہو جائے گا، لیکن گناہ ہوگا جس کی وجہ سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ امام مالکؒ واحمد بن حنبلؒ کے نزدیک خیار فسخ حاصل ہوگا، یعنی قضاءً تو بیع درست ہوگی، لیکن دیانۃً فسخ واجب ہے۔ اوران کا دوسرا قول یہ ہے کہ عقد منعقد ہی نہیں ہوگا۔

نوٹ

کیا یہ احکام مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں یا کفار بھی اس میں داخل ہیں؟

بعض حضرات کے نزدیک کفار کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے۔

لیکن جمہور اور احناف نے ذمی اور مستامن کا استثناء کیا ہے۔

باب تحريم تلقّي الجلب

تلقی الجلب کی حرمت کے بیان میں

ترجمہ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب تجارت سے آگے جا کر ملنے کو تاوقتیکہ وہ بازار میں نہ آئیں منع کیا ہے۔

یہ الفاظ ابن نمیر کی روایت کے ہیں۔ باقی دوسرے دونوں حضرات کی روایت میں ہے کہ آپ نے آگے جا کر ملنے سے منع فرمایا ہے۔

اسے "تلقي الركبان"، "تلقي السلع" اور "تلقي البيوع" بھی کہا جاتا ہے۔

"تلقي الجلب" کی تعریف

شہر سے باہر جا کر اس قافلہ سے خرید وفروخت کرنا جو مال تجارت لے کر شہر آرہا ہو۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ شہر والوں کو ضرر ہو۔

۲۔نرخ میں تلبیس ہو،قافلے والوں پر ہو یا اہل بلد پر ہو۔

۳۔کسی کو بھی ضرر نہ ہو۔

حکم

پہلی دوصورتوں میں بیع بالاتفاق ناجائز ہے،کیونکہ ان میں نفعِ خاص ہو رہا ہے بمقابلہ ضرر عام کے۔

تیسری صورت عندالاحنافؒ جائز ہے۔

اگر پہلی دوصورتوں میں کسی نے عدم جواز کے باوجود بیع کرلی تو کیا حکم ہوگا؟اس بارے میں بین الفقہاء اختلاف ہے۔

اہل ظواہرؒ

عقد منعقد ہی نہیں ہوگا۔

عندالجمہورؒ عقد منعقد ہو جائے گا۔

انعقاد عقد کے بعد بائع کو خیار ہوگا یا نہیں؟

عندالاحنافؒ و مالکیہؒ: بائع کو خیار نہیں ہوگا

عندالشوافعؒ وحنابلہؒ: تین صورتوں میں سے ایک میں خیار ہوگا،بقیہ میں نہیں ہوگا۔

اور وہ تین صورتیں یہ ہیں:

۱۔ثمن بلد پر بیع ہوئی ہو۔

۲۔ثمن بلد سے زیادہ پر بیع ہوئی ہو۔

۳۔ثمن بلد سے کم پر بیع ہوئی ہو۔

صرف آخری صورت میں بائع کو خیار ہوگا،بقیہ میں نہیں۔

دلیل

"إذا أتى سيّده السوق فهو بالخيار". (الحدیث)

جب مال کا سابق مالک بازار آ گیا تو اسے اختیار ہے۔

جوابِ روایت

ا۔ یہ متروک الظاہر ہے، جیسا کہ شوافع نے بھی تین صورتوں میں سے ایک صورت میں اختیار دیا ہے۔

۲۔ بعض حضرات نے اسے سیاست پر محمول کیا ہے اور بعض نے دیانت پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیانۃً یہ حکم فرمایا تھا۔

ابن ہمامؒ نے اس روایت کے پیش نظر دوسرے ائمہ کی طرح بائع کو اختیار دیا ہے، لیکن ان کے شاگرد قاسم بن قطلو بغاؒ فرماتے ہیں. "تفردات شیخي غیر مقبولة".

حدِ تلقی

بعض نے ایک میل، بعض نے دو فرسخ اور بعض نے (دودن) کی مسافت کو قرار دیا ہے، لیکن عند الاحناف تعیین حدود کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کا دارومدار ضرر اہل بلد پر موقوف ہے، اگر ضرر ہو تو ناجائز، ورنہ جائز ہے۔

امام طحاویؒ نے تطبیق یوں دی ہے کہ نہی کی روایات ضرر پر محمول ہیں اور جواز کی روایات عدم ضرر پر محمول ہیں۔

امام بخاریؒ نے یوں تطبیق فرمائی ہے کہ اندرون شہر سوق میں جائز اور بیرون شہر ناجائز ہے۔

باب تحريم بيع الحاضر للبادي

شہری کا دیہاتی کے لئے دلال بن کر مال بیچنے کی حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شہری دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔

زہیر سے بھی یہی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ منقول ہے۔

اس کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) پہلی صاحب ہدایہ نے کی ہے کہ شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے، شہری اپنا کسی بھی قسم کا مال دیہاتی کو نہ بیچے۔ صاحبِ ہدایہ کی یہ تعریف وتفسیر عندالجمہور مرجوح ہے۔

(۲) شہری دیہاتی کے لئے وکیل بیع نہ بنے، جیسا کہ راوی نے خود تفسیر کی ہے۔

سمساراً (یہ لفظ دلال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے)۔

بیع الحاضر للبادی کی حرمت عام ہے یا خاص؟

جمہور کے نزدیک حرمت عام ہے اوران کی دلیل وہ تمام روایات ہیں جن میں نہی وارد ہوئی ہے، جب کہ عندالاحناف" یہ حکم مقید بالضرر ہے، اوراحناف کا مستدل باب کی حدیث ثالث ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: "دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض" کہ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ یہ نہی لعینہ نہیں ہے، بلکہ شہر والوں سے ضرر کو دفع کرنے کی غرض سے ہے، اب اگر ضرر ہی نہ ہو تو نہی بھی نہیں ہوگی۔

دفع وہم

حنفیہ کی تقیید کی وجہ سے انہیں مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں کہ یہ حدیث میں تاویلات کرتے ہیں، کیونکہ جمہور نے بھی اس حکم کو چھ شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(۱) شہری با قاعدہ وکیل بنے بادی کا۔

(۲) بادی کا مقصود بیع ہو۔

(۳) بادی کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو۔

(۴) بادی موجودہ نرخ پر بیچنا چاہتا ہو۔

(۵) اہل بلد کو ضرورت ہو، یہ شرط قاضی عیاض نے لگائی ہے۔

هل ينعقد البيع أم لا؟

اگر ممانعت کے باوجود کسی نے ایسا کر لیا تو عند الظواہر بیع منعقد ہی نہیں ہوگی، جبکہ جمہور کے نزدیک بیع منعقد ہو جائے گی، مشتری گناہ گار ہوگا۔

توبہ واستغفار کے ساتھ بیع فسخ کرنا لازم ہوگی، کیونکہ یہاں کراہت تحریمی ہے۔

باب: حكم بيع المُصَرَّاةِ

تھن میں دودھ روک کر جانور بیچنے کا حکم

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دودھ روکی ہوئی بکری خریدی، تو اسے لے کر واپس جائے اور اس کا دودھ دوہے، پھر اگر اس کا دودھ کی مقدار پر راضی ہو روہ اس بکری کو اپنے پاس روک لے اور اگر راضی نہ ہو تو لوٹا دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور کا بھی دے دے۔

اس میں صیغوں کے اعتبار سے چار احتمال ہیں:

(۱) لاتُصَرُّوا

صیغہ جمع مذکر مخاطب، فعل نہی مجہول، ناقص یائی، ثلاثی مزید فیہ، از باب تفعیل۔

(۲) لاتَصُرُّوا

صیغہ جمع مذکر مخاطب، فعل نہی معلوم، مضاعف ثلاثی، ثلاثی مجرد، از باب نصر۔

(۳) لاتُصَرُّ الإبل

صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل نہی مجہول، مضاعف ثلاثی۔

(٤) لاتُصِرُّوا

صیغہ جمع مذکر مخاطب، فعل نہی معلوم، مضاعف، ثلاثی مزید فیہ، از باب تفعیل۔

تصریہ کی تعریف

بیع سے پہلے کسی دودھ دینے والے جانور کا دودھ روک دینا، تاکہ مشتری اس کا زیادہ ثمن ادا کرنے پر راضی ہو جائے۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث کے دو جز ہیں:

(۱) عیبِ تصریہ کی وجہ سے مشتری کے لئے خیار۔

(۲) دودھ کے عوض ایک صاع تمر دینا۔

حاصل حدیث

ا۔غرر کی اطلاع پانے پر یا تو اس جانور کو روک دے۔

۲۔اگر واپس کرنا چاہے تو ایک صاع تمر بھی ساتھ دے۔

مذاہب ائمہ

امام شافعیؒ نے حدیث کے دونوں اجزاء کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ نے پہلے جزء کے ظاہر کو لیا ہے اور دوسرے جزء میں تاویل کی ہے۔

احناف نے دونوں اجزاء میں تاویل کی ہے۔

شوافع کے نزدیک مصراۃ کے ساتھ ایک صاع تمر بھی لوٹایا جائے گا اور کوئی چیز دینا جائز نہیں۔حدیث الباب ان کی دلیل ہے۔

مشتری کو خیار ہوگا اور جانور کی واپسی کی صورت میں ایک صاع غالب قوت بلد دینا ہوگا، یعنی جزء اول کے ظاہر پر عمل ہوگا، اور جزء ثانی میں تاویل، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمر کا حکم اس لئے دیا کہ اس زمانے میں تمر ہی غالب قوتِ بلد تھی، لہذا ہر زمانے کے اعتبار سے غالب قوت لازم ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بکری کے ساتھ دودھ کی قیمت دینی لازم ہوگی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع تمر بطور حاکم متعین فرمایا تھا، نہ کہ بطور شارع، کیونکہ اس وقت دودھ کی قیمت ایک صاع تمر کے برابر تھی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کے دونوں اجزاء میں تاویل کی ہے، لیکن اس کی وجہ سے ان پر یہ الزام عائد نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دی ہے، کیونکہ کئی احادیث ایسی موجود ہیں جن کے ظاہر پر فقہاء عمل نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) جمع بین الصلاتین کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے ظاہر

پر کسی نے عمل نہیں کیا اور کوئی بھی بغیر سفر اور بلا عذر جمع بین الصلوتین کا قائل نہیں۔

(۲) شارب خمر کے بارے میں احادیث میں آتا ہے: "فإن عاد في الرابعة فاقتلوه" کسی نے بھی اس حدیث کی بناء پر وجوب قتل کا قول نہیں کیا۔

اگر احناف نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا تو اس پر اعتراض کیوں؟

ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ اول

بعض حضرات نے وجہ بیان کی ہے کہ قاعدہ ہے کہ اگر حدیث کے راوی فقیہ صحابی ہوں تو ان کی حدیث قیاس کے مقابلے میں راجح ہوگی، اور اگر غیر فقیہ ہوں تو قیاس ان کی حدیث کے مقابلے میں راجح ہوگا۔ چونکہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور وہ فقیہ نہ تھے، لہذا قیاس کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس جواب کی نسبت عیسیٰ بن ابان کی طرف کی جاتی ہے، لیکن ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں ایسی بات بعید معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقیہ ہونے کے بارے میں کسی کو شک نہیں، نیز احناف کی جانب سے حدیث کے ظاہر پر عمل نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کرنا ازخود مشکوک، مردود و متروک ہے، کیونکہ علماءنا الثلاثہ سے یہ منقول نہیں۔

وجہ ثانی

اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اصول مسلمہ کے خلاف ہے، اصول مسلمہ سے مراد قرآن مجید، حدیث، اجماع اور قیاس ہیں۔

قرآن سے معارضہ

﴿وجزاءُ سيئةٍ سيئةٌ مثلُها﴾ [الشورى: ٤٠] ﴿وإنْ عاقبتُم فعاقِبوا بمثلِ ما عُوقبتم به﴾ [النحل: ٢٦] ﴿فَمَنِ اعتدىٰ عليكم فاعْتَدُوا عليه بمثل

ما اعتدی علیکم﴾ [البقرة: ۱۹٤]

یہ تمام آیات اس بات پر دال ہیں کہ ضمان بقدر نقصان ہونا چاہیے اور حدیث باب میں عدم مساوات ظاہر ہے، (بین التمر واللبن)۔

حدیث سے معارضہ

حدیث باب دو حدیثوں سے معارض ہے:

۱۔ "الخراج بالضمان" کہ چیز جس کے ضمان میں ہے، نفع بھی اسی شخص کا ہوگا۔

۲۔ "حدیث النهي عن بيع الكالي بالكالي" کہ ادھار کے بدلے ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

معارضہ کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ مشتری نے جو دودھ استعمال کیا وہ دو قسموں پر مشتمل ہے:

ا۔ دودھ جو شراء سے پہلے بائع کی ملک میں موجود تھا۔

۲۔ وہ دودھ جس کا اضافہ مشتری کی ملک میں ہوا ہے۔

اور ردِ صاع میں تمر کو لبن کا ضمان بنانے کی تین صورتیں ہیں:

مشتری جو ضمان (ردصاع تمر کی صورت میں) دے گا، یا تو وہ دونوں (وہ دودھ جو شراء سے قبل بائع کی ملک میں تھا اور وہ دودھ جس کا اضافہ مشتری کے پاس ہوا) کے مجموعے کے عوض میں مانا جائے، یا صرف دودھ قبل الشراء کے عوض مانا جائے گا، پہلی صورت میں "الخراج بالضمان" کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ وہ دودھ جو بعد العقد وجود میں آیا تھا وہ تو مشتری کی ملک اور اس کے ضمان میں داخل تھا، لہذا حدیث کی رو سے وہ اس سے نفع اٹھا سکتا تھا، جبکہ حدیث باب میں اس کے عوض ایک صاع تمر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

اور اگر اسے صرف پہلی قسم (وہ دودھ جو قبل العقد موجود تھا) کا عوض مانا جائے، تو

حدیثِ نہی عن بیع الکالی بالکالی کی مخالفت لازم آئے گی، بایں طور کہ یہ دودھ نہ تو بیع کی وجہ سے مشتری کی ملکیت میں آیا تھا، کیونکہ بیع تو فسخ ہو چکی ہے اور نہ الخراج بالضمان قاعدے کی رو سے، کیونکہ یہ دودھ مشتری کی ملک اور اس کے ضمان میں تھا ہی نہیں، لہذا جب مشتری نے اس دودھ کو استعمال کیا تو وہ نقض بیع کی وجہ سے مشتری کے ذمہ دین ہو گیا، اسی طرح ایک صاع کھجور بھی مشتری کے ذمہ دین ہے جو دودھ کا عوض ہے، نتیجتًا یہ "بیع اللبن بالصاع دینًا" ہو گئی، یعنی: لبن بھی دین اور صاع بھی دین، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بہر حال کسی بھی ایک احتمال کو لے لیں، ایک نہ ایک حدیث کو ترک کرنا لازم آئے گا، یا تو ''الخراج بالضمان'' والی حدیث کا ترک، یا ''بیع الکالی بالکالی'' کی ممانعت والی حدیث کا ترک لازم آئے گا۔

معارضہ بالاجماع

اشیاء بر دو قسم است

(۱) ذوات الامثال (۲) ذوات القیم

پہلی قسم کا ضمان بالمثل دیا جاتا ہے اور دوسری قسم کا بالقیمہ، جبکہ حدیث میں مذکور ضمان کا تعلق دونوں میں سے کسی سے بھی نہیں ہے، یعنی صاع من تمر نہ تو دودھ کے لئے ضمان بالمثل ہے اور نہ ہی ضمان بالقیمہ۔

معارضہ بالقیاس

قیاس سے معارضہ بایں طور ہے کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تاوان اور ضمان بقدر نقصان دیا جائے اور مذکورہ مسئلہ میں ایسا فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ جو دودھ مشتری نے استعمال کیا ہے، دو قسم پر ہے:

۱۔ جو قبل العقد بائع کی ملک میں تھا۔

۲۔ جو بعد العقد مشتری کی ملک میں آیا۔

(۱) پہلی قسم کا مشتری کو تاوان دینا ہوگا، کیونکہ وہ بائع کی ملکیت تھا، (۲) اور دوسری قسم کا تاوان نہیں دینا، کیونکہ وہ مشتری کی ملکیت میں وجود میں آیا ہے۔

(۳) لہذا اگر دونوں کی قیمت لازم کی جائے، تو مشتری کو نقصان ہوگا، (۴) اور اگر سرے سے کچھ لازم ہی نہ کیا جائے تو بائع کو ضرر ہوگا اور صرف پہلی قسم لازم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وہ مجہول ہے، یعنی: بائع اور مشتری کی ملکیت والا دودھ جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنے کی تیسری وجہ

حدیث باب کے متن میں اضطراب ہے۔

اضطراب فی المتن اس نوعیت کا ہے کہ اس میں تطبیق ممکن نہیں، بعض روایات میں صاعاً من تمر کے الفاظ ہیں، بعض روایات میں "رد معها مثل أومثلي لبنها قمحا" (گندم) کے الفاظ ہیں، اور بعض روایات میں "صاعاً من تمر أوصاعاً من طعام" (گندم) کے الفاظ ہیں۔

لہذا ان علل کے پیش نظر احناف اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں۔

تاویل کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

علامہ سرخسیؒ

ان کے ہاں حدیث کا تعلق خیار شرط سے ہے، نہ کہ خیار عیب سے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ مشتری نے اپنے لئے بوقت بیع اس اندیشہ کے پیش نظر خیار شرط رکھا ہے کہ کہیں بائع نے بکری کے ساتھ تحفیل یا تصریہ کا عمل نہ کیا ہو، تاکہ خیار شرط کے سبب مبیع کو واپس کر سکے، اس کی واضح دلیل باب کی تیسری حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیار کو تین دن کے ساتھ مقید کیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ وقت کے ساتھ خیار شرط مقید

ہوتا ہے، نہ کہ خیار عیب۔

رہی بات مشتری پر ایک صاع تمر کے ضمان کی تو وہ صلحاً ہے، قضاءً نہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

ایک صاع کا لٹانا یہ قضاءً نہیں، بلکہ دیانۃً ہے اور یہ رد استحباب پر محمول ہے۔ یہ شیخ الہندؒ کا قول ہے جس کی تشریح شاہ صاحب نے اس طرح کی۔ علامہ ابن ہمامؒ نے اس بارے میں ایک ضابطہ تحریر فرمایا ہے کہ غرر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قولی (۲) فعلی

غرر قولی کی صورت میں قضاء و دیانۃ دونوں طرح رد ہوگا، اور غرر فعلی کی صورت میں فقط دیانۃً رد ہوگا۔

تیسری توجیہ

حدیث الباب میں عمومی ضابطہ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ یہ واقعہ جزئیہ ہے اور واقعہ جزئیہ کو تمام احوال اور کلیات کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی توجیہ

امام طحاویؒ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔

خلاصہ ما فی الباب

اس باب میں چار چیزوں کا بیان ہے۔

(۱) تصریہ کی تعریف (۲) حدیث کی تشریح میں ائمہ کا اختلاف (۳) احناف کے ظاہر حدیث پر عمل نہ کرنے کی تین وجوہات (۴) حدیث کی چار توجیہات۔

باب بطلان بیع المبیع قبل القبض

قبضہ سے پہلے مبیع کو آگے فروخت کرنے کی ممانعت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اناج خریدے تو قبضہ کرنے سے قبل اسے فروخت نہ کرے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ہر ایک چیز کو اسی پر قیاس کرتا ہوں۔

مشہور یہ ہے کہ استیفاء اور قبض کا ایک معنی ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے، مگر درحقیقت اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں:

ا۔ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ

عقار (زمین) کے سوا ہر چیز کی بیع قبل القبض ناجائز ہے، البتہ عقار کو قبل القبض بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ دریا کے کنارے پر نہ ہو۔

۲۔ امام مالکؒ

ماکولات و مشروبات (کھانے پینے کی اشیاء) میں بیع قبل القبض جائز نہیں، بقیہ میں جائز ہے۔

۳۔ امام شافعی و امام محمدؒ

کسی بھی چیز میں بیع قبل القبض جائز نہیں، چاہے منقولی ہو یا غیر منقولی، نقد ہو یا غیر نقد۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ

طعام میں بیع قبل القبض ناجائز، بقیہ میں جائز ہے۔

۵۔عثمان البتیؒ

ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

لیکن ان کا مذہب اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، کیونکہ طعام میں ان کے علاوہ بقیہ سب کے نزدیک بیع ناجائز ہے۔

بعض حضرات نے تاویل کی ہے کہ ہوسکتا ہے ان تک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نہ پہنچی ہو۔

دلیل امام احمد بن حنبلؒ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ "مَنِ ابْتَاعَ طَعَاماً فلاَ يَبِعْهُ حَتىٰ يستوفيه" صرف طعام کے بارے میں ہے۔

دلیل امام شافعی و امام محمدؒ

عن ابن عباسٍ رضي الله تعالى عنهما: "من ابتاع طعاماً فلا يبعه، حتى يستوفيه". قال ابن عباس: وأحسبُ كلَّ شيءٍ مثله.

اس طرح اگلی روایت میں مذکور ہے، حضرت طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "ألاَ تَرَاهُمْ يَتَبَايَعُوْنَ بالذهب والطَّعامُ مُرجأٌ" کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ لوگ سونے وغیرہ کو کھانے وغیرہ کے بدلے میعاد پر فروخت کرتے ہیں۔ "مرجأ" سے مراد صورۃ ربا ہے۔

ربا کے تین درجات ہیں:

۱۔یقینی، ۲۔مظنون، ۳۔صورۃ اشتباہ ہو۔ان تینوں صورتوں میں پائے جانے والے ربا سے اجتناب ضروری ہے۔

دلیل امام اعظمؒ وابی یوسفؒ

"لا یحلُّ ربحُ مالم یضمن" کہ جو چیز آپ کے ضمان میں داخل نہیں، اس کا نفع بھی آپ کے لئے حلال نہیں اور یہ علت عام طور پر منقولات کے اندر پائی جاتی ہے، غیر مقنولات میں نہیں، کیونکہ وہ نادر الہلاک ہے اور "النادر کالمعدوم والمعدوم لا یعتبر".

اور منقولات میں عدم جواز کے وہی دلائل ہیں جو ماقبل میں ذکر کئے گئے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اجتہادی علت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجتہادی علت حنفیہ کے ہاں غیر منقولی اشیاء میں حجت نہیں، کیونکہ حنفیہ صریح حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں: "لا ربح مالم یضمن، حتی یکتاله".

صاحب نصب الرایہ نے اس کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ مکایلتاً خریدی ہو اور مکایلۃً بیچنا چاہتا ہو تو کیل کر کے دے۔

۲۔ مجازفتاً خریدی ہو تو مجازفتہً بیچ سکتا ہے، کیل ضروری نہیں۔

۳۔ مکایلتاً خریدے اور مجازفتہً بیچنا چاہے تو کیل ضروری نہیں۔

۴۔ مجازفتاً خریدے اور مکایلۃً بیچے تو کیل کرنا ضروری ہے۔

بيع الصكاك

رسید، چیک وغیرہ کی بیع کے بیان میں

صکاک کی تعریف

"الورقة المكتوبة فيها أرزاق الناس" کہ ایسی رسید جس میں لوگوں کی

روزی لکھ دی جاتی ہے۔

علامہ باجی مالکیؒ نے یہی تعریف کرتے ہوئے مزید تشریح فرمائی ہے کہ اس رسید میں دو قسم کی چیزیں لکھی جاتی تھیں:

ا۔ ائمہ، قضاۃ، عاملین کے لئے اس پر تنخواہیں لکھی جاتی تھیں، تاکہ وہ خود بیت المال سے وظیفہ حاصل کریں۔

۲۔ حکومت کی طرف سے کچھ لوگوں کے لئے عطیات اور وظائف لکھے جاتے تھے۔

عند الشوافع

جس کے نام وہ چیک یا رسید نکلی ہے وہ تو آگے بیچ سکتا ہے، مگر جو اس سے خریدنے والا ہوگا وہ قبضہ کرنے سے پہلے آگے کسی دوسرے پر فروخت نہیں کر سکتا ہے۔

حدیث الباب سے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بیع ثانی پر محمول ہے، کیونکہ یہ رسید یا چیک جس شخص کے نام پر ہے تو اس بیع میں اس شخص کی ملک تو ملک مستقر اور پختہ ملک ہے، کیونکہ وہ اس کا حق ہے، گویا وہ خریدار ہی نہیں، لہٰذا اب اگر وہ آگے فروخت بھی کرتا ہے تو یہ بیع قبل القبض نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"حديث الباب محمول على أن المشتري ممن خرج له الصك باعه لثالث قبل أن يقبضه المشتري، فكان النهي عن البيع الثاني لا عن الأول؛ لأن الذي خرجت له مالكٌ لذلك ملكا مستقرا، وليس هو بمشتر، فلا يمتنع بيعه قبل القبض".

عند الاحناف

رسید، چیک وغیرہ کی بیع جائز نہیں۔

دلیل احنافؒ

ا۔ احناف کا استدلال حدیث الباب سے ہے، جس میں ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ

رضی اللہ عنہ نے مروان (حاکم مدینہ) سے کہا: کیا تو نے سودی بیع کو حلال کر دیا؟ مروان نے کہا: میں نے کیا کر دیا ہے؟ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے سندات وچیکوں کی بیع کو جائز کر دیا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی بیع کو منع فرمایا ہے جب تک کہ پورا پورا قبضہ نہ ہو جائے۔ یہ سن کر مروان نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اس بیع سے منع کر دیا۔

۲۔ یہ بیع مالیس عندالانسان کے قبیل سے ہے، کیونکہ یہ مزدور کے کام کا صلہ ہے، اور جب تک اس کاغذ اور چیک میں موجود چیز اس کو ملے گی نہیں اس کی ملکیت میں نہیں آئے گا اور غیر مملوک کی بیع درست نہیں۔

۳۔ "لا ربح مالم یضمن" کہ ایسی چیز کا نفع جو آپ کے ضمان میں نہیں، حلال نہیں۔

۴۔ از قبیل غرر ہے۔

مشہور مسئلہ

عام طور پر مشہور ہے کہ حقوق مجردہ کی بیع جائز نہیں، لیکن درحقیقت فقہاء نے اس کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک ''حق استیفاء مال'' ہے۔

حق استیفاء مال

جو صاحب حق کو کسی عقد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، مثلاً بیع کے ذریعہ بائع کو استیفاء ثمن کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اس حق کی بیع کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ بيع الدين ممن عليه الدين، ۲۔ بيع الدين من غير من عليه الدين.

یعنی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس دین کو اسی پر بیچنا جس پر آپ کا یہ حق لازم ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس دین کو کسی دوسرے پر بیچنا، تو پہلی صورت جائز ہے اور دوسری صورت ناجائز، بعینہ اسی طرح بیع الصکاک حکومت سے تو صحیح ہے، لیکن کسی اور سے درست نہیں۔

باب تحریم بیع صُبرة التمر المجهولة القدر بتمر

غیر معلوم الوزن کھجور کے ڈھیر کو کھجور کے عوض بیچنا

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا ایسے ڈھیر کو جس کا وزن یا ماپ معلوم نہ ہو، کھجور کے ایسے ڈھیر کے بدلے جس کا وزن یا ماپ معلوم ہو، فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح حدیث

اس کی چار صورتیں ہیں:

۱۔مکیلات یا موزونات معلوم المقدار کو بجنسہٖ یداً اور سواً بسواء بیچنا، عوض معوض دونوں معلوم المقدار ہوں۔

۲۔مکیلات یا موزونات مجہولۃ المقدار ہوں۔عوض اور معوض دونوں مجہول۔

۳۔ثمن مجہول المقدار ہو اور مبیع معلوم المقدار ہو۔

(۴) ثمن معلوم المقدار ہو اور بیع مجہول المقدار ہو۔

حکم

صرف پہلی صورت میں بیع جائز ہے، بقیہ تین صورتوں میں جائز نہیں، کیونکہ اس باب میں دو قاعدوں کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے۔

۱۔"الجهل بالمماثلة كحقيقة المفاضلة" جنس کی جنس کے ساتھ بیع کی صورت میں مقدار کی عدم معرفت کسی ایک جانب حقیقتاً تفاضل کی موجودگی کی طرح ہے، کیونکہ مساوات کا پتہ تب ہی چل سکتا ہے جب مقدار معلوم ہو۔

۲۔ظن یقین کے درجے میں ہوتا ہے۔

ان چاروں صورتوں میں جواز اور عدم جواز کے اثبات کے لئے حدیث ربا مستدل ہے، پہلی صورت کے جواز کے لئے ید أبید کے الفاظ اور بقیہ تین صورتوں میں عدم جواز کے لئے ''الفضل الربا'' کے الفاظ منصوص ہیں۔

باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين

بائع اور مشتری کے حکم خیارِ مجلس کے ثبوت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بائع اور مشتری کو جب تک جدا نہ ہوں، اختیارِ (فسخ بیع) حاصل ہے، مگر اس بیع میں جس میں اختیار کی شرط لگائی گئی ہو۔

شرح حدیث

خیار کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔خیار قبول، ۲۔خیار شرط، ۳۔خیار عیب، ۴۔خیار رؤیت، ۵۔خیار مجلس۔

ان پانچ میں سے پہلے چار بالاتفاق ثابت ہیں، پانچویں میں اختلاف ہے۔

عند الشافعیؒ واحمدؒ

بائع اور مشتری دونوں کو خیار مجلس حاصل ہے، جب تک مجلس برقرار ہے ان کو خیار فسخ حاصل ہے۔

دلیل

عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "البيّعَانِ كلُّ واحدٍ منهما بالخيارِ علىٰ صاحبه مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا"، کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بائع اور مشتری میں

سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے، جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں"۔

اور اسی مضمون کی دیگر تمام روایات کو بطور دلیل پیش فرماتے ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا معمول بھی دلیل ہے۔

طریقہ استعمال

"مَا لَمۡ یتفرَّقا" میں تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے۔

عندالاحناف ؒ والمالکیہ ؒ

ارکان بیع کے تحقق کے بعد خیار مجلس نہیں رہتا۔

دلائل

۱۔ ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا أَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ﴾ [المائدة: ۱] "کہ اے ایمان والو! اپنے معاملات اور عقود کو مکمل کرو"۔ "عقد" ایجاب وقبول کا نام ہے، لہذا ایجاب وقبول کے بعد خیار مجلس ایفاءِ عقد کے منافی ہے۔

۲۔ ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیۡن اٰمَنُوا لا تأکلُوا أموالَکم بینکم بِالبَاطلِ إلا أن تکون تجارةً عن تراض منکم﴾ [النساء: ۲۹] لہذا جب عقد ایجاب وقبول کے بعد تام ہو گیا تو دب دوسرے کی رضا کے بغیر عقد کو فسخ کرنا آیت کے منافی ہے۔

۳۔ خیار مجلس دینا متبایعین کے ثبوتِ تصرف کے منافی ہے۔

۴۔ اشہاد علی العقد کے منافی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل کا جواب

پہلا جواب علی سبیل التحقیق (الزامی) ہے کہ تفرق سے مراد تفرق بالاقوال مراد ہے، نہ کہ تفرق بالابدان، جیسا کہ قرآن میں بھی یہی مراد لیا گیا ہے اور اس پر کئی شواہد موجود ہیں:

(۱) ﴿وإن يتفرقا يُغنِ اللهُ كلاً من سعته﴾[النساء: ۱۳۰]. اس آیت میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے۔

(۲) ﴿واعتصِمُوا بحبل الله جميعاً ولاتفرقوا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]

(۳) ﴿وما تفرق الذين أوتوا الكتاب﴾ [البينة: ٤]

ان آیات میں بھی تفرق بالاقوال مراد ہے۔

جواب ثانی

یہ علی السبیل التسلیم ہے کہ ٹھیک ہے تفرق بالابدان ہی مراد ہے، لیکن صورت یہ ہوگی کہ ایجاب ہو چکا ہو، قبول نہ ہوا ہو تو مجلس کے آخر تک خیار رہے گا، لیکن یہ درحقیقت خیار قبول ہوگا، نہ کہ خیار مجلس، اور جس مجلس میں عقد ہو رہا ہے اسے ''مجلس عقد'' کہتے ہیں، تو اسی اعتبار سے اس خیار کو ''خیار مجلس'' بھی کہتے ہیں۔

فائدہ: شوافع وحنابلہ کا مذہب اوفق بالاصول ہے اور اوفق بالقیاس ہے، جب کہ احناف اور مالکیہ کا مذہب اوفق بالقرائن ہے۔

إلا بيع الخيار:

اس استثناء کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، احناف وشوافع ہر ایک نے اپنے مذہب کے موافق اس کی تفسیر ذکر کی ہے، چنانچہ احناف کے ہاں خیار سے ''خیار شرط'' مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جدا ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے، الا کہ متعاقدین میں سے کوئی ایک خیار کی شرط لگا لے تو بیع لازم نہیں ہوتی۔ بعض حضرات شوافع نے بھی اس تفسیر کو اختیار کیا ہے، مگر شوافع کی بڑی جماعت نے اسے امتدادِ خیار الی التفرق (جدا ہونے سے پہلے تک دونوں کو اختیار ہوتا ہے) سے استثناء مانا ہے، اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ اگر

جدا ہونے سے قبل متعاقدین بیع کو اختیار کرلیں تو بھی بیع لازم ہو جائے گی اور خیار (تفرق کے نہ ہونے کے باوجود) ختم ہو جائے گا۔

۲۔خیار بیع کا مطلب اختیار بیع ہے کہ اگر بیع کو اختیار کرلیا تو فسخ بیع کا حق حاصل نہ ہوگا، عبارت یوں ہوگی: "إلا وقت خيار البيع".

باب من يخدع في البيع

دھوکہ کھا جانے والے شخص کی بیع کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے تذکرہ کیا کہ اسے بیع میں دھوکہ دیا جاتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو خرید وفروخت کیا کرے تو کہہ دیا کر کہ کوئی دھوکہ نہیں، چنانچہ وہ شخص جب خرید وفروخت کرتا تو یہی کہہ دیتا: "لا خيابة" یعنی کوئی دھوکہ نہیں ہے۔

اس باب میں چار باتیں اہم ہیں:

(۱) الفاظ کا فرق، (۲) رجل کا نام (۳) الفاظ کا معنی (۴) ان الفاظ سے خیار ثابت ہوگا یا نہیں؟

اختلاف الفاظ

مختلف روایات میں چار قسم کے الفاظ ہیں:

١۔ لا خِلَابَةَ، ٢۔ لا خِيَابَةَ، ٣۔ لا خَيَانَةَ، ٤۔ لا خَذَابَة

اصل لفظ "لا خلابة" ہے اور "لا خيابة" اس کا مترادف ہے، "لا خيانة" رواۃ کی تصحیف ہے اور "لا خذابة" اصل میں "لا خلابة" تھا، مگر یہ صاحب چونکہ ٹھیک

سے تلفظ ادا نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کبھی لام کو یاء سے یا ذال سے تبدیل کر دیتے تھے۔

اسم القائل

قائل کا نام حبان ابن منقذ ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک حبان کے والد منقذ بن عمرو ہے، یہ لام کا تلفظ صحیح طرح ادا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ایک غزوہ میں سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے زبان کی بعض رگیں بھی خراب ہوگئی تھیں، البتہ ممیز تھے۔

الفاظ کے معنی

"خلابة" کا لغوی معنی دھوکہ دینا ہے، اور یہاں حدیث میں "لا خلابة" کا مفہوم یہ ہے: "لا یحل لك خدیعتي، أولا یلزم لي خدیعتُك" تمہارے لئے مجھے دھوکہ دینا جائز نہیں، یا تمہارا دھوکہ دینا مجھ پر لازم نہیں ہوگا۔

ثبوت خیار

جمہور کے نزدیک ان الفاظ سے خیارِ غبن ثابت نہیں ہوگا، بعض حضرات حدیث باب کی وجہ سے ثبوتِ خیار کے قائل ہیں، لیکن جمہور اس کا جواب یہ دیتے کہ "کانت قضیة عین لا عموم لها" کہ یہ خیار حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔

نیز بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیار شرط تھا، خیار غبن مراد نہیں۔

مدت خیار

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خیار شرط کی اکثر مدت تین دن ہے۔

۲۔ امام احمد، صاحبین، ابن منذر، ابوثور کے نزدیک خیار شرط مقید بوقت نہیں ہے۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک طبیعات کے مختلف ہونے سے خیار کی مدت

بھی مختلف ہوتی ہے۔

دلائل

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ خیار کا مقصد سوچنے کا موقع لینا ہے اور مبیع کے اختلاف کی وجہ سے سوچ میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کا فیصلہ لینا میں منٹوں لگتے ہیں اور بعض میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔

امام احمدؒ وصاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خیار شرط کا تعلق مدت کے ساتھ ہے اور مدت عقد کے لواحقات میں سے ہے، لہذا جس مدت پر بھی متعاقدین اتفاق کرلیں، وہی خیار شرط کی مدت قرار پائے گی۔ دوسری دلیل ابن عمرؓ کا عمل ہے کہ انہوں نے دو ماہ تک کے لئے خیار شرط کی اجازت دی تھی، روایت ہے:"إنه أجاز الخيارَ إلىٰ شهرين". اس اثر کے بارے میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:"هذا حديث غريب جدا، لا يصح أن يستدل به" کہ یہ اثر نہایت غریب ہے، لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

امام صاحب ومن وافقہم کے دلائل

مصنف عبدالرزاق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:"إن رجلا اشترى من رجل بعيرا واشترط الخيار أربعة أيام، فأبطل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيع" کہ عہد رسالت میں ایک شخص نے اونٹ خریدا تھا اور چار دن کا خیار رکھا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو باطل قرار دیا تھا۔

۲۔ دار قطنی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:"الخيار ثلاثة أيام".

۳۔ دار قطنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:"أيها الناس! إني نظرتُ فلم أجدْ لكم في بيوعِكم شيئاً أمثل من العهدة التي جعلها رسول الله صلى الله عليه وسلم لحبان بن منقذ ثلاثه أيام".

ان تمام روایات سے خیار شرط کی مدت تین دن معلوم ہوتی ہے۔

خیار شرط خلاف قیاس نصاً ثابت ہے، لہذا یہ اپنے مورد پر بند رہے گا؛ "لأن العقلَ لایزاحم النقل" کیوں کہ عقل نقل کا مقابل نہیں بن سکتی۔

باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها

پختگی ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (درختوں پر لگے) پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہونے سے قبل ان کو بیچنے سے منع فرمایا ہے اور اس چیز سے بائع اور مشتری دونوں کو منع کیا ہے۔

شرح حدیث

پھلوں کی بیع ابتداً دو قسم پر ہے:

ا۔ قبل بدوء الثمار، ۲۔ بعد بدوء الثمار

پہلی صورت مطلقاً ناجائز ہے اور دوسری صورت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قبل بدوء الصلاح (۲) بعد بدوء الصلاح

قبل بدوء الصلاح کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ قبل بدوء الصلاح بشرط القطع والشرط في هذه الصورة عموماً من البائع، یعنی پھل پکنے سے پہلے کاٹنے کی شرط لگائی جائے۔

۲۔ قبل بدوء الصلاح بشرط الترك والشرط عموماً من المشتري، یعنی پھل پکنے سے پہلے نہ کاٹنے کی شرط لگائی جائے۔

(۳) مطلق بیع۔

یہی تین صورتیں بعینہ بعد بدوء الصلاح کی بھی ہیں۔

کل چھ صورتیں ہیں جن میں سے چار صورتیں عندالاحناف جائز اور دو صورتیں ناجائز ہیں۔

احناف کے ہاں عدم جواز والی صورتیں

۱۔ البیعُ بشرط الترك قبل بدوء الصلاح، پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہونے قبل ان کو بیچنا اس شرط کے ساتھ یہ پھل پکنے اسی درخت کے ساتھ لگے رہیں گے۔

۲۔ البیع بشرط الترك بعد بدوء الصلاح، صلاحیت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط لگائی گئی۔

باقی چاروں صورتیں جائز ہیں۔

شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی چار صورتیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جواز والی صورتیں

۱۔ بعد بدوء الصلاح بشرط القطع، (۲) بعد بدوء الصلاح بشرط الترك، ۳۔ بعد بدوء الصلاح مطلقاً، ٤۔ قبل بدوء الصلاح بشرط القطع ،یہ صورت عقلاً مستثنیٰ ہے۔

عدم جواز کی صورتیں

۱۔ قبل بدوء الصلاح بشرط الترك، ۲۔ قبل بدوء الصلاح مطلقاً

جن صورتوں کے جواز پر اتفاق ہے ان کے دلائل کی تو ضرورت نہیں، البتہ مختلف فیہ صورتوں کو ملاحظہ فرمالیں۔

مطلق بیع: عندالاحنافؒ

بیع مطلق قبل البدوء بھی جائز ہے اور بعد البدوء بھی، کیونکہ بیع مطلق حقیقتاً بیع بشرط القطع کے حکم میں ہے، اور بیع بشرط الترک دونوں صورتوں میں بعد البدوء و قبل البدوء ناجائز ہے۔

دلیل

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرط".

شرط سے تین قسم کی شرائط مراد ہیں:

(۱) ملائم عقد نہ ہو (۲) احد العاقدین میں سے کسی کا نفع ہو۔

مبیع کا نفع ہو بشرط یہ کہ مبیع حصول نفع کا اہل ہو۔

اور بیع بشرط الترک میں احد المتعاقدین کا نفع ہے لہذا ناجائز ہے۔

دلائل ائمہ ثلاثہ

عن جابر بن عبد الله يقول: نهى رسول الله ﷺ عن بيع التمر، حتى يبدوَ صلاحُه (أو كما قال عليه صلاة والسلام) مسلم: ۲/۷، کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ ان کی صلاح (ذائقہ) ظاہر ہو جائے۔

لہذا حدیث مذکور اور حدیث باب کی رو سے بعد البدوء کی تمام صورتیں جائز اور قبل البدوء بشرط القطع عدم مانع کی وجہ سے عقلاً مستثنیٰ ہے، اور بقیہ دو صورتیں مفہوم مخالف کے اعتبار سے ناجائز ہیں، کیونکہ احادیث باب کے منطوق کا اعتبار کرتے ہوئے بعد البدوء کی تین صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں تو مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے قبل البدوء کی صورتیں ناجائز ہوئیں۔

اشکال

بیع قبل البدوء بشرط القطع کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "إنما صححنا لشرط القطع للإجماع" تو شوافع نے عقلاً مستثنٰی کیوں کہا۔

جواب

کتب میں "عقلاً مستثنی" کے الفاظ ملتے ہیں، اس لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے، حقیقتاً بیع کی یہ صورت اجماع کی وجہ سے مستثنٰی ہے۔

علامہ طحاویؒ کا جواب شوافع کو

احادیث باب میں عام بیع ثمار سے منع نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان احادیث میں پھلوں میں صلاح ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع سلم کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ صلاح ظاہر ہونے سے قبل ان میں بیع سلم کرنا بیع المعدوم کے حکم میں ہے جب کہ بیع سلم میں مبیع کا عقد کے وقت سے لے کر مبیع کے حوالے کرنے کے وقت تک موجود ہونا ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ ان احادیث میں پھلوں میں قبل بدوء الصلاح بیع سلم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، یہ احادیث عام بیع ثمار سے متعلق وارد نہیں ہوئیں، لہذا ان سے استدلال درست نہیں۔

علامہ سرخسیؒ

"حتی یبدو صلاحها" اس قسم کی احادیث بیع مطلق قبل البدوء پر محمول ہیں اور اس حدیث میں یہی بیان ہے۔

نوٹ: "بدو صلاح" کا مطلب عندالاحناف: "أمن من العاهات" مراد ہے اور عندالشوافعؒ "ظهور النضج" مراد ہے۔

اختلافِ روایت

(١) حتى يبدوَ صلاحُها، (٢) حتى يَبْيَضَّ، (٣) حتى يَطِيبَ، (٤) حتى يَشْتَدَّ، (٥) حتى يَزْهُوَ، (٦) حتى تُزْهِيَ، (٧) حتى تَحْمَرَّ، (٨) حتى تَحْمَارَّ، (٩) حتى يسودَّ

باب تحريم بيع الرطب بالتمر

تر کھجوروں کی خشک کھجوروں کے ساتھ بیع کی حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے فروخت کرنے سے منع فرمایا، جب تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی بیع میں رخصت دی ہے۔ ابن نمیر کی روایت میں ''أن تباع'' کا لفظ بھی زائد ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مقطوع (۲) غیر مقطوع

پھر ہر ایک کی چار چار صورتیں ہیں: غیر مقطوع کی چار صورتیں ناجائز ہیں اور مقطوع کی پہلی دو صورتیں جائز ہیں اور تیسری اور چوتھی صورت مختلف فیہ ہے۔

غیر مقطوع کی چار قسمیں ہیں:

١۔ بيعُ الرطبِ غيرِ مقطوعْ بالرطبِ غيرِ مقطوع.

٢۔ بيعُ الرطبِ غيرِ مقطوع بالتمرِ غيرِ مقطوع.

٣۔ بيعُ التمرِ غيرِ مقطوع بالتمرِ غيرِ مقطوع.

٤۔ بیعُ التمر مقطوع بالرطبِ غیرِ مقطوع.

حکم

یہ چاروں صورتیں ناجائز ہیں، اس قاعدے کی رو سے: "الجهل بالمماثلة کحقیقة المفاضلة"، ربوی اموال میں مماثلت اور برابری کا علم نہ ہونا حقیقتاً مماثلت اور برابری نہ ہونے کی طرح ہے، لہذا جہل بالمماثلت کی وجہ سے بیع ناجائز ہوگی۔

مقطوع کی صور اربعہ

١۔ بیعُ الرطب بالرطب مساویاً یداً بید، ٢۔ بیع التمرِ بالتمر مساویا یداً بید، ٣۔ بیع الرطب بالتمر، (٤) بیع التمر بالرطب.

حکم

پہلی دو صورتیں بالاتفاق جائز ہیں، تیسری اور چوتھی صورت مختلف فیہ ہے۔

بیانِ اختلاف

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مثلاً بمثلٍ یداً بید جائز ہے۔

آپ رحمہ اللہ کی دلیل مشہور حدیثِ ربوا ہے۔

حنابلہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک چاہے تساویاً ہو یا تفاضلاً، بیع ناجائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت سعد بن وقاصؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور کی خشک کھجور کے عوض بیع سے متعلق سوال کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے پوچھا کہ کیا جب کھجور خشک ہو جائے تو کم ہو جاتی ہے؟ صحابہ نے فرمایا: جی ہاں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'فلا إذاً'' کہ تب تو یہ بیع ناجائز ہے۔

جمہور کے استدلال کا جواب

۱۔اس حدیث کے راوی زید بن عباس ہے جو مجہول ہیں، لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوگا، جبکہ مقابل میں حدیث مشہور بھی موجود ہو، نیز اس طعن کو اصولیین حدیث نے درست تسلیم کیا تھا۔

۲۔علامہ گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محض استفسار نہ تھا، کیونکہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اعقل الناس تھے، لہذا آپ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ بیع الرطب بالتمر کا کوئی فائدہ نہیں۔

۳۔نہی ارشادی ہے، تشریعی نہیں۔

إلا بيعَ العرايا

''عرایا'' بالاتفاق جائز ہے، البتہ اس کی تفسیر میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں:

عند الامام الاعظمؒ

عرایا: ''عرِيَّةٌ'' کی جمع ہے، جو ''تَعَرِّيْ'' سے ماخوذ ہے، بمعنی خالی ہونا، باغ کے دیگر حصوں کا اس سے خالی ہونا۔صاحبِ قاموس فرماتے ہیں:

''العَرِيَّةُ: اسمٌ لهبةِ ثمارِ النَّخيلِ''.

''واصطلاحاً: عطيةُ النخلِ لأحدٍ لأكلِ تمرةٍ''.

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو درخت پر لگے ہوئے پھل دے دیئے جائیں، تاکہ وہ ان کو استعمال کرے، لیکن بعد میں کسی وجہ سے درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض دوسری کھجوریں دے دینا۔

امام مالکؒ کا مذہب

ان سے دو تفسیریں منقول ہیں، ایک تو احناف کے مطابق ہے جسے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسری تفسیر امام مالکؒ سے یہ منقول ہے کہ کسی کے باغ میں مستحق کا درخت ہو اور باغ کا مالک اس درخت کی کھجوروں کے عوض مستحق کو دوسری کھجور دے دے۔

اس تفسیر کے مطابق اصل (شجر) اور پھل دونوں مستحق کی ملکیت میں ہوں گے۔

شوافعؒ کا مذہب

جب کھجوریں پک جاتی ہیں تو فقراء کا طبعی میلان ہوتا ہے کہ ہمیں بھی یہ رطب مل جائے، چونکہ تمر ان کے پاس موجود ہوتی ہے، تو اہل خیر حضرات انہیں تمر کے عوض رطب دے دیتے ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق نہ اصول فقیر کے ہیں اور نہ ہی پھل، دفع ضرورت کے لئے اسے جائز قرار دیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض ہبہ ہے اور یہ صورۃً بیع ہے، حقیقتاً نہیں، کیونکہ ہبہ ابھی تک موہوب لہ کے قبضے میں نہیں آیا اور بغیر قبضہ کے ہبہ تام نہیں ہوتا، لہذا یہ درحقیقت "استبدال موهوب بموهوبٍ آخر" ہے۔

چونکہ "لا تبتاعُوا التمرَ بالتمرِ" سے عرایا کی عدم اجازت کی طرف ذہن جاتا تھا، اس لئے "ورخص في العرايا" کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا۔

إلا فی العرایا

عندالاحناف یہ استثنی منقطع ہے، جبکہ باقی حضرات مستثنی متصل قرار دیتے ہیں۔

مقدار عرایا

عندالاحناف اس کی کوئی مقدار متعین نہیں، کیونکہ یہ "استبدال موهوب بموهوب آخر" ہے۔ بقیہ حضرات کے نزدیک اس کی مقدار پانچ وسق ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی موجود ہے، مگر احناف اسے قید اتفاقی قرار دیتے ہیں۔

خمسةٌ أو دونَ خمسةِ أوسقٍ

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ راوی کو شک ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فیما دون خمسة أوسق" فرمایا، یا فقط "خمسة" فرمایا، تو مطلب یہ ہوگا کہ پانچ سے کم کم میں جائز ہے، پانچ اور اس سے زیادہ میں جائز نہیں، اس لئے کہ "أخذ باليقين" پر عمل کرنا بہتر ہے اور وہ پانچ سے کم ہے۔

باب من باع نخلاً وعليها تمر

جس نے کھجوریں لگا ہوا درخت فروخت کیا

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے قلمی کھجوروں کے درخت فروخت کئے تو اس پر لگے ہوئے پھل بائع کے ہیں۔ ہاں! اگر خریدار ان کی شرط طے کرلے''۔

اس باب میں دو مسائل کا بیان ہے:

(۱) بیع النخل بعد التابیر، (۲) غلام مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

تابیر: نر کھجور کی مادہ کھجور کے ساتھ پیوند کاری کرنا۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ بیع یا تو قبل التابیر ہوگی یا بعد التابیر، پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں: مطلق یا مشروط، یعنی: مشتری پھل کی بھی شرط لگائے، تو بیع مطلق کی صورت میں درخت مشتری کا اور پھل بائع کے ہوں گے، کیونکہ بائع کی ملکیت میں دو چیزیں تھیں، اس نے ایک چیز (درخت) بیچی ہے، دوسری (پھل) نہیں، اور بیع مشروط کی صورت میں دونوں چیزیں مشتری کو مل جائیں گی، گویا کہ مالک نے ایک ہی عقد میں دونوں چیزیں بیچ دیں۔

عند الجمہورؒ

بیع التابیر کی صورت میں پھل بائع کی ملکیت میں رہیں گے، الا یہ کہ مشتری شرط لگادے۔

ان حضرات کا استدلال "من باع نخلاً قد أبّرت فثمرها للبائع"، کہ جس نے ایسا درخت بیچا جس کی پیوند کاری خود اس نے کی، تو اس درخت کا پھل اسی کا ہوگا۔

قبل التابیر علی الاطلاق کی صورت میں پھل مشتری کا ہوگا، یعنی مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں۔

المسئلة الثانية

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک غلام مالک نہیں بن سکتا، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک غلام مالک بن جائے گا، لیکن اگر مالک غلام کو بیچے تو عند الکل یہ بیع نہیں ہوگی۔

دلیل

"مَنِ ابتاعَ عبداً فمالُه للذي بَاعَه إلاَّ أن يَشْتَرِطَ المبتاعُ"، کہ جس نے

غلام بیچا تو اس کا مال، یعنی کپڑے وغیرہ مالک کے ہوں گے، ہاں! اگر مشتری سودا کرتے وقت شرط لگائے کہ اس کا اضافی سامان میرا ہے تو پھر اسی کو ملے گا۔

اس حدیث میں غلام کی طرف ''مال'' کی اضافت کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام بھی مالک بن سکتا ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب

''مالہ'' میں اضافت تملیک کے لئے نہیں ہے، بلکہ اختصاص کے لئے ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: "جل الدابة وسرج الفرس".

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے ''عبد ماذون فی التجارۃ'' مراد ہے۔

باب النهي عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة...... إلخ

محاقلہ، مزابنہ اور مزارعت سے ممانعت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا ہے اور پھلوں کو ان کی صلاحیت کے ظاہر ہونے سے قبل فروخت کرنے سے بھی منع کیا ہے اور اس بات سے منع فرمایا کہ پھلوں کو صرف دراہم اور دنانیر کے عوض فروخت کیا جائے، (پھلوں کے عوض نہ فروخت کیا جائے)، مگر عرایا میں اس کی اجازت ہے۔

شرح حدیث

محاقلہ کے معنی میں متعدد اقوال ہیں:

١- بيع الزرع قبل بدوّ الصلاح، ٢- اكتراء الأرض بالحنطة، ٣- بيع الزرع في سنبله، ٤- بيع الزرع قبل إدراكه.

جب کہ اصلاح فقہاء میں محاقلہ کی تعریف یہ ہے کہ کھڑی کھیتی کو اس کی جنس کے عوض نکلے ہوئے غلہ کے عوض فروخت کرنا۔

بیع محاقلہ اپنی جمیع تفاسیر کے ساتھ باطل وحرام اور ناجائز ہے بوجہ شبہ ربا۔

"المزابنة": "زبن" سے ماخوذ ہے، بمعنی: "الدفع الشدید" زور سے دھکا دینے والا، اسی سے ''حرب'' یعنی لڑائی کو بھی ''زبون'' کہتے ہیں، کیونکہ لڑائی میں دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف شدت کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہیں۔

''مزابنہ'' کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے تازہ پھلوں کو اسی جنس کے رکھے ہوئے خشک پھلوں کے عوض بیچنا۔

محاقلہ کی طرح مزابنہ بھی متعدد تعریفات پر مبنی ہے۔

۱۔ بیع التمر بالرطب، ۲۔ بیع التمر بالتمر، ۳۔ هو بیع ما لم یعلم کیلا أو وزنا أو عددا بمعلوم المقدار.

یہ بھی محاقلہ کی طرح احتمال ربا کی وجہ سے حرام ہے۔

فائدہ: محاقلہ کھیتی باڑی میں اور مزابنہ پھلوں میں ہوتا ہے۔

المعاومة

اس کا ذکر باب کی حدیث سادس میں ہے۔ یہ ''عام'' بمعنی ''سال'' سے ماخوذ ہے، جیسے: ''مسانہہ'' ''سنہ'' سے اور ''مشاہرۃ'' ''شہر'' سے ماخوذ ہے۔

اصطلاحاً: پھل دار درختوں کو ظہور ثمر سے لے کر ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا۔

یہ بھی ناجائز اور حرام ہے بوجہ غرر (دھوکہ کے)، کیونکہ آپ ایک ایسی چیز کو بھی فروخت کر رہے ہو جو اب تک پیدا ہی نہیں ہوئی۔

"الثُنیا": بروزن "دنیا"۔ مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو فروخت کیا جائے اور مجہول مقدار کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے۔

یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ مستثنیٰ کی جہالت مستثنیٰ منہ کی جہالت کو مستلزم ہے۔

باب کراء الأرض

زمین کو کاشت کے لئے معاوضہ پر دینے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے اور کئی سالوں کے لئے اس کی بیع کرنے سے اور درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے پکنے سے قبل فروخت کرنے منع فرمایا ہے۔

پیداوار میں صاحب ارض اور عامل کے اشتراک کی تین صورتیں:

۱۔ زمین ایک کی ہو اور عمل دوسرے کا، اگر ان میں سے کوئی ایک خاص وزن یا کیل کی شرط لگائے تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے، مثلاً میں یہ زمین آپ کو اس شرط پر دے رہا ہوں کہ آپ اس کی پیدوار میں سے دو من دیں گے، اس لئے کہ ممکن ہے اتنی پیداوار ہی نہ ہو۔

۲۔ کراء الارض

زمین کو کرائے پر دینا، یعنی زمین کو پیداوار پر نہیں، بلکہ نقد وغیرہ پر دینا۔

یہ صورت ائمہ اربعہ کے ہاں جائز ہے اور حسن بصریؒ کے ہاں ناجائز ہے۔

ان کی دلیل حدیث باب ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

جمہور کی دلیل

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو حنظلہ بن قیس کے طریق سے مروی

ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے ''کراء الارض'' کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر ذھب (سونے) کے بدلے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: "أما بالذهب والورق فلا بأس به" کہ اگر سونے یا چاندی کے بدلے میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ان کی دوسری حدیث جو اسی معنی میں ہے، امام مسلمؒ نے نقل فرمائی ہے۔

ان احادیث سے کراء الارض کے بارے میں وارد حدیث نہی کی تفسیر بھی ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس معاملے میں وارد نہی کی روایت اس خاص شکل کے بارے میں ہے جو اس زمانے میں رائج تھی، وہ یہ کہ عامل اور صاحب ارض اس زمین کے خاص حصہ کی پیداوار کی شرط پر معاملہ کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ باطل ہے، یا یہ کہ نہی تنزیہی ہے، البتہ ذہب و فضہ وغیرہ کے بدلے زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے اور اس بارے میں روایات صحیحہ صریحہ موجود ہیں۔

۳۔ المزارعۃ

زمین کو اس کی پیداوار کے کچھ حصے کے بدلے بٹائی پر دینا۔

اگر اس میں کوئی شرط فاسد لگائی، مثلاً خاص زمین کی پیداوار یا پیداوار کی خاص مقدار پر معاملہ ہو تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط فاسد پر نہ ہو، مثلاً ثلث یا ربع پر ہو تو اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور مسلک کے مطابق یہ معاملہ ناجائز ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ معاملہ اصالۃً تو ناجائز ہے، لیکن اگر مساقات کے ضمن میں ہو تو جائز ہے۔ وہ اس طرح کے درختوں کے بیچ میں خالی زمین ہو جس میں مزارعت کا عقد مساقات کے ضمن میں ہی کر لیا جائے اور کام کرنے والا، یعنی

زراعت کرنے والا اور درختوں کو پانی دینے والا ایک ہی شخص ہو۔

البتہ امام مالکؒ کے ہاں مساقات کے ضمن میں جواز کی صرف ایک شرط ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے چھ مختلف شرائط ہیں۔

امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک جس طرح زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے، اسی طرح مزارعت پر دینا بھی جائز ہے۔ شوافع میں سے بھی بعض حضرات کا یہی قول ہے، جیسے ابن خزیمہ، علامہ خطابی، ابن شریح رحمہم اللہ۔

امام صاحب کی دلیل

۱۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو امام مسلمؒ نے پچھلے باب کے آخر میں ذکر کی ہے: "نَهَىٰ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن المخابرة" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ ایسے ہی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی ممانعت کی روایت مروی ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

۳۔ ابن عمرؓ کی روایت: "كنا لا نرىٰ بالخِبْرِ (المخابرة) بأساً حتى كان عامُ أَوَّلَ، فزعم رافعٌ أَنَّ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عنه" کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم مخابرہ میں کوئی حرج نہیں سمجھا کرتے تھے، یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کا پہلا سال ہوا تو رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے دعوی کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا۔

۴۔ اسی طرح یہ بات بھی ہے کہ اس میں اجرت عند العقد معدوم ہوتی ہے، اس وجہ سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اجارہ کے وقت اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

قائلین جواز کی دلیل

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ اسی طرح پیداوار کے کچھ حصہ پر معاملہ کیا تھا، اس کی تفصیل ''کتاب المساقاۃ والمزارعۃ'' میں ابن عمرؓ کی روایت کے تحت موجود ہے۔

امام صاحبؒ کا جواب

یہ خراج مقاسمہ کا معاملہ تھا، اس لئے کہ وہ زمین کافروں ہی کی ملک میں تھی اور ان سے "مـا يـخـرج من الأرض" کے ثلث یا ربع یعنی جزء مشاع کو خراج بنا کر معاملہ کیا گیا تھا، لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمینوں کے بارے میں یہ تاویل نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ خراج مقاسمہ کا معاملہ تو ان زمینوں کے بارے میں کیا جاسکتا ہے جو کفار کی ملکیت میں ہوں اور خیبر کی زمینیں تو مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں جس پر بہت سی روایات صراحتاً دلالت کرتی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی کتاب المساقاۃ میں حضرت ابن عمر اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس اور کتاب الخراج میں بشیر بن یسار رضی اللہ عنہم کی روایات اس امر میں صریح ہیں کہ فتح خیبر کے بعد زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں، مگر چونکہ اس زمین سے یہود زیادہ واقف تھے اور ان کی بھی خواہش تھی کہ انہیں ان کی زمینوں پر باقی رکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس موقعہ پر مساقات اور مزارعت کا نصف ثمر پر معاملہ کیا اور یہ بھی طے ہوا کہ جب تک مسلمان چاہیں گے تم یہاں رہو گے، یہی وجہ تھی کہ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خیبر سے ''تیماء'' اور ''اریحا'' کی طرف جلاوطن کردیا تھا۔

اب اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہی کی جو روایات ہیں وہ اُس بارے میں ہیں جس میں شروط فاسد لگائی گئی ہوں۔ جس طرح کہ امام مسلم نے رافع بن خدیج رضی اللہ

عنہ کی روایت حنظلہ بن قیس کے طریق سے نقل کی ہے کہ میں نے رافع بن خدیج سے کراء الارض کے بارے میں پوچھا کہ یہ ذہب وفضہ کے بدلے میں جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ کسی خاص زمین (مثلاً ماذیانات، اقبال الجداول) کی پیداوار پر معاملہ کرتے تھے، جو بسا اوقات ہلاک ہو جاتی تھیں، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس مخصوص زمین کے علاقہ بقیہ زمین میں فصل سرے سے پیدا ہی نہ ہو، اس صورت میں عامل کا نقصان ہے، اس لئے کہ یہ بات بھی متعین ہوتی تھی کہ کرایہ کے طور پر یہی دینا ضروری ہوتا تھا، لہٰذا ان شروط فاسدہ کی وجہ سے منع فرمایا، البتہ اگر معلوم ومضمون شئ ء کے بدلے میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اس معنی کی اور روایات بھی امام مسلمؒ نے نقل فرمائی ہیں، یا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ بطور مشورہ کے منع کیا گیا تھا، نہی تحریمی نہیں تھی۔

اِس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو امام مسلمؒ نے "باب الأرض تمنح" میں ابن عباسؓ سے روایت فرمائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لأن یمنح الرجل أخاه أرضه خیر له من أن یأخذ علیها خرجاً معلوماً". (۱٤/۲) کہ آدمی اپنی زمین اپنے مسلمان بھائی کو ہدیۃ زراعت کے لئے دے تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ کہ اس پر معاوضہ لے۔

معلوم ہوا کہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے، نا کہ جائز ونا جائز کا۔

اسی طرح اگلی روایت ہے:

"أن النبی ﷺ لم ینهَ عنها، إنّما قال: یمنح أحدکم أخاه خیرٌ له من أن یأخذ علیها خرجا معلوما". (۱٤/۲)

کتاب المساقاة والمزارعة

مساقات اور مزارعت کا بیان

ترجمہٗ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے جو بھی پھل اور اناج کی پیداوار ہو، اس میں نصف پر معاملہ فرمایا تھا۔

مساقات کی تعریف

لغة: مفاعلة من السقي، بمعنی سیراب کرنا۔

اصطلاحاً: رفع الشجر إلى من يصلحه بجزء معلوم من ثمره.

اصطلاحی تعریف: کسی شخص کا اپنا باغ سنبھالنے کے لئے کسی کو اس باغ کے مجموعی پھلوں کے ایک معلوم حصے کے عوض دینا۔

حکم

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک مساقات جائز ہے۔ جمہور فقہاء ومحدثین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کی طرح مساقات بھی ناجائز ہے۔

مزارعت کے مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ رب الارض مزارع سے کہے کہ اپنی زمین اتنی رقم کے عوض سال بھر کے لئے دیتا ہوں، یہ بالاتفاق جائز ہے۔ بقیہ تفصیل گزر چکی۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کی دلیل وہی واقعہ خیبر ہے۔

امام صاحبؒ کے دلائل اور ان کے جوابات مزارعت کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

خیبر کے قلعے

۱۔قاطس، ۲۔قموص، ۳۔صعب بن معاذ، ۴۔قلۃ

ان چاروں کے ساتھ مقاتلہ ہوا اور مقابلے کے بعد فتح ہوئے۔

۵۔وطیح، ۶۔سلالم، یہ دونوں قلعے صلحاً فتح ہوئے۔

غنائم خیبر کے اولاً چھتیس/۳۶ حصے کئے گئے، جن میں اٹھارہ/۱۸ حصے مسلمانوں کی ضروریات کے لئے مختص کر دیئے گئے اور باقی اٹھارہ/۱۸ حصے مجاہدین میں تقسیم کئے گئے۔

مجاہدین میں یہ اٹھارہ حصے کس طرح تقسیم کئے گئے اس میں اختلاف ہے۔

جمہور اور صاحبینؒ

جمہور اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک فارس کو تین حصے دیئے گئے، دو حصے گھوڑے کے لئے اور ایک حصہ فارس کے لئے اور راجل کو ایک حصہ دیا گیا۔

امام اعظمؒ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فارس کو دو اور راجل کو ایک حصہ دیا گیا تھا۔

جمہور اور صاحبین کے مذہب کے مطابق کل چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہ کرام تھے، جن میں سے دو سو (۲۰۰) فارس تھے۔ چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہ کے چودہ حصے ہو گئے، ہر حصے میں سو (۱۰۰) افراد شریک رہے اور باقی چار حصے گھوڑوں کے ہوئے، کیونکہ ہر گھوڑے کو دو حصے دیئے گئے تھے، تو دو سو (۲۰۰) گھوڑوں کے چار سو حصے ہوئے، اس طرح یہ اٹھارہ حصے تقسیم ہوئے۔

لیکن امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں مجمع بن جاریہ کی روایت نقل کی ہے کہ خیبر میں

مجاہدین کی تعداد ۱۵۰۰ تھی جن میں سے تین سو سوار تھے، آپ ﷺ نے ہر سوار کو دو دو حصے دیئے اور ہر ایک پیادے کو ایک ایک حصہ دیا تو اٹھارہ حصوں میں سے چھ حصے ۳۰۰ سواروں نے لئے اور باقی بارہ حصے ۱۲۰۰ راجلین کو ملے۔

باب فضل الغرس والزرع

کھیتی باڑی اور درخت لگانے کی فضیلت

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کوئی درخت لگائے، مگر یہ کہ جو کچھ بھی اس درخت میں سے کھایا جائے، وہ لگانے والے کے لئے صدقہ ہوگا اور جو درندے کھا جائیں وہ بھی صدقہ ہے اور جو پرندے کھا جائیں وہ بھی صدقہ ہے اور اس میں سے کوئی کم نہیں کرے گا، مگر یہ کہ اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حدیث الباب سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ غارس اور زارع غرس اور شرع کے وقت مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی نیت کریں تو ثواب ملے گا، ورنہ نہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غارس اور زارع کے لئے اجر ثابت ہے، اگرچہ نیت نہ کریں۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر غرض مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی ہو تو یہ افضل ومحمود ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زراعت افضل کمائی ہے۔

باب وضع الجوائح

یہ باب آسمانی آفت سے ہونے والے نقصان کے بیان میں ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ پھل فروخت کرے۔ (دوسری سند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ پھل فروخت کردے) اور پھر اسے کوئی آفت لاحق ہو جائے تو اب تیرے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں، تو کس چیز کے عوض اپنے بھائی کا مال لے گا، کیا ناحق اس سے وصول کرے گا؟

الجوائح

"جائحة" کی جمع ہے، آفت و مصیبت کو کہتے ہیں، یہاں مراد آفت سماویہ ہے جو پھلوں پر آتی ہے۔

توضیح مسئلہ

اگر پھل کی بیع قبل از ظہور ہوئی ہو یا "قبل بدوّ الصلاح بشرط التبقية على الأشجار" ہوئی تو ضمان بائع پر ہوگا، اس لئے کہ پہلی صورت میں معدوم کی بیع ہے اور دوسری صورت میں بیع فاسد ہوئی ہے اور بیع فاسد قبل القبض مفیدِ ملک نہیں۔

۲۔ اسی طرح اگر بیع "قبل بدوّ الصلاح" یا "بعد بدوّ الصلاح بشرط القطع" ہوئی تھی، لیکن بائع نے تخلیہ نہیں کیا تو اس صورت میں بالاجماع ضمان بائع پر ہے، کیونکہ قبل القبض ہلاکت ہوئی ہے۔

۳۔ اگر بیع "قبل بدوّ الصلاح" یا "بعد بدوء الصلاح بشرط القطع" ہو اور بائع نے تخلیہ بھی کیا ہو تو اس صورت میں ضمان مشتری پر ہوگا۔

۴۔ اگر درخت پر لگے پھل کی بیع "بعد بدوّ الصلاح لا بشرط القطع" ہو اور بائع پھل اور مشتری کے درمیان تخلیہ بھی کر دے، پھر کسی آفت سماویہ سے پھل اتارنے کا وقت ہونے سے پہلے پھل ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان بائع پر ہوگا یا مشتری

پر؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم

ضمان بائع پر ہوگا، یعنی ثمر کا ثمن مشتری کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور بائع کو ثمن کے مطالبے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

امام مالکؒ

اگر پھل ثلث سے کم ہلاک ہوا تو ضمان مشتری پر ہوگا، اگر ثلث یا اس سے زیادہ ہوا تو ضمان بائع پر ہوگا۔

جمہور کا استدلال حدیث باب سے ہے اور اسی طرح دوسری حدیث ہے: "إن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بوضع الجوائح"، یعنی پھل پر جو آفات آئیں ان کو معاف کر دیا جائے، یعنی مشتری سے ہلاک شدہ پھل کا ثمن وصول نہ کیا جائے۔

امام مالکؒ ثلث سے کم کا ضمان مشتری پر ڈالنے کو اس حدیث سے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ قلیل ہے اور قلیل کے نقصان سے بچنا عادۃً ممکن نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ

امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کا ایک قول اور لیث بن سعد و دیگر حضرات کا قول یہ ہے کہ ضمان مشتری پر ہوگا، یعنی پھل کا ثمن وہ ادا کرے گا، اس لئے کہ بیع کے بعد جب مبیع پر مشتری کا قبضہ ہو جائے، تو وہ ضمان مشتری کے ذمہ میں داخل ہو گیا، اگلے باب کی پہلی حدیث جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے وہ بھی اسی پر دال ہے، جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی کو اس طرح پھلوں میں نقصان ہوا اور قرضہ زیادہ ہو گیا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے صدقہ کیا،

لیکن اس سے بھی اس کا قرضہ پورا نہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے کہا کہ پس اب جو تم پالو اسے لے لو، اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ سے اس سے حنفیہ اور شافعیہ کے قول جدید پر استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ضمان اور دین کو ساقط قرار نہ دینا، بلکہ اسے ثابت قرار دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آسمانی آفات جو مشتری کے قبضے میں مبیع پر نازل ہوں، ان کا ضمان مشتری کے ذمہ ہوگا۔

احادیث باب کا جواب

۱۔ وضع الجوائح کا حکم استحبابی ہے۔

۲۔ یہ ان تین صورتوں پر محمول ہے جن میں ضمان بالاتفاق بائع پر ہوتا ہے۔

باب استحباب الوضع من الدين

قرض میں کمی کرنے کے مستحب ہونے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے درخت پر میوہ خریدا اور اس پر قرضہ بہت ہو گیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو صدقہ دو، سب لوگوں نے اس کو صدقہ دیا، تب بھی اس کا قرضہ پورا نہیں ہوا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے ارشاد فرمایا کہ بس اب جو مل گیا ہے اسے لے لو، اس کے علاوہ نہیں، یعنی اور کچھ نہیں ملے گا۔

یعنی: جب تک مفلس ہے، اس وقت تک تمہیں اس کے پاس سے جو کچھ ملے اس کے سوا باقی دین کے مطالبے کا حق نہیں اور اس میں بھی یہ تفصیل ہے کہ بقدر ضرورت سامان جس سے وہ اپنی زندگی کا گزارا کر سکے اس کے پاس چھوڑنا ضروری ہے، اس سے زائد غرماء

کا حق ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مفلس، مدیون کو مہلت دینا بھی واجب ہے جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔

پھر حضرات صاحبین، امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس سے نہ مطالبہ کرنا جائز ہے نہ اس کے پیچھے لگنا جائز ہے اور نہ ہی اسے قید کرنا جائز ہے، یہاں تک کہ اس کے پاس مال آجائے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے قید کرنا تو جائز نہیں ہے، البتہ ملازمت جائز ہے کہ جہاں بھی مدیون جائے دائن اس کے پیچھے رہے، تا کہ جب بھی مدیون کے ملک میں کوئی مال آئے تو اس کا بذریعہ قاضی مطالبہ کر سکے۔

باب من أدرك ما باعه عند المشتري وقد أفلس، فله الرجوع فيه

جو شخص مفلس مشتری کے پاس اپنا بیچا ہوا مال پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا مال کسی انسان یا کسی شخص کے پاس پائے جو کہ مفلس ہو گیا ہو تو وہ دوسروں سے زیادہ اپنے مال کا حق دار ہے۔

شرح حدیث

جب آدمی مفلس ہو جائے اور اس کے پاس کسی دوسرے کا مال ہو (جس کی رقم اب تک اس مفلس نے ادا نہیں کی) تو اب وہ اصل مالک اس شخص سے اپنا مال بعینہٖ لے سکتا ہے یا نہیں؟

اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات دیکھنی ہوگی کہ وہ مال اس نے کس طور پر لیا ہے، اس کی تقریباً پانچ ممکنہ صورتیں بنتی ہیں:

(۱) غصب کیا ہوا، (۲) سرقہ، یعنی چوری کیا ہوا، (۳) بطور عاریہ کے لیا (۴) ودیعت کے طور پر لیا، (۵) خریدا ہو۔

پہلی چار صورتوں میں تو اتفاق ہے کہ یہ اصل مالک کی ملک میں ہے اور آخری صورت مختلف فیہ ہے۔

جس نے کوئی سامان وغیرہ خریدا اس کے بعد مفلس ہو گیا یا اس کا ثمن ادا کرنے سے پہلے فوت ہوا اور اس مبیع کے علاوہ اس کا اور کوئی مال نہیں تو یہ مبیع جو مشتری کے ضمان میں داخل ہو چکی تھی، بائع اس کا تنہا حق دار ہوگا، یا سب غرباء میں تقسیم کی جائے گی؟

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک بائع تنہا رجوع نہیں کر سکتا، بلکہ وہ سب غرباء پر برابر تقسیم کی جائے گی، جب کہ جمہور (ائمہ ثلاثہ) کے ہاں بائع اس چیز کا دیگر غرماء کی بنسبت زیادہ حقدار ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی استدلال

حدیث باب سے ہے: "من أدرك ماله بعينه عند المشتري فهو أحق به من غيره" کہ بائع نے اگر مفلس کے پاس اپنا مال بعینہٖ موجود پایا تو دوسرے کے مقابلے میں اس کے لینے کا زیادہ حق دار ہوگا۔

احناف کا جواب

روایاتِ باب پہلی چار صورتوں میں سے کسی صورت پر محمول ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے:

"إذا ضاع لأحدكم متاع، سرق له متاع، فوجده في يد رجل بعينه

فهو أحق به، ويرجع المشتري على البائع بالثمن".

اگر تم میں سے کسی کا سامان گم ہو جائے، یا چوری ہو جائے اور پھر یہ شخص اپنا سامان کسی آدمی کے پاس پالے تو یہ اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہوگا، (اور جس شخص کے پاس پایا، اب وہ شخص ثمن کا بائع پر رجوع کرے گا، یعنی جس سے خریدا ہے، اس سے اپنے پیسے واپس لے گا) اور مشتری اب بائع سے اپنے ثمن کا رجوع کرے گا۔

طرز استدلال اس روایت سے یہ ہے کہ حدیث باب جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ حدیث سمرۃ رضی اللہ عنہ دونوں کا سیاق ایک ہی ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ حدیث باب مختصر اور حدیث سمرۃؓ مفصل ہے، لہذا قاعدہ کے مطابق حدیث باب کو حدیث سمرۃ رضی اللہ عنہ پر محمول کریں گے اور حدیث سمرہ اس امر میں بالکل ظاہر ہے کہ معاملہ ایسی چیز سے متعلق ہے جو ودیعت، عاریت، یا سرقہ یا غصب وغیرہ کے قبیل سے ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب مشتری اس مبیع کا مالک بن گیا اور وہ اس کے قبضے میں بھی آ گئی تو اب بائع کا حق صرف ثمن سے متعلق ہے، مبیع پر اس کا کوئی حق باقی نہ رہا، لہذا اس کو کوئی فسخ بیع کا اختیار نہیں اور اداء ثمن پر چونکہ مشتری فی الحال قادر نہیں تو اسے مہلت دینا واجب ہے۔

باب تحريم مطل الغني وصحة الحوالة ......إلخ

مالدار کا قرض میں ٹال مٹول کرنا حرام ہے اور حوالہ جائز ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرض کی ادائیگی میں مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو کسی مالدار پر لگا دیا جائے (قرض کی وصولی کے لئے) تو اس کو چاہیے کہ اس کے پیچھے لگ جائے۔

مال دار کا دین ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کے دین کا حوالہ کسی مال دار پر کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ حوالہ قبول کر دے۔

غنی کا حوالہ قبول کرنا

غنی پر حوالہ قبول کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ امر استحبابی ہے۔

امام احمد اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک دائن کا قبول کرنا حوالہ کی صحت کے لئے شرط نہیں، بلکہ اس پر واجب ہے کہ جب ایسی صورت بن جائے تو اس کو قبول کر لے، لیکن ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ محتال علیہ (یعنی: جس تیسرے آدمی پر اس قرض کی ادائیگی لازم کی گئی ہے) دین ادا کرنے پر قادر ہو۔

باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة

جنگل میں موجود ضرورت سے زائد پانی کو بیچنا حرام ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کے فروخت کرنے سے جو ضرورت سے زائد ہو منع کیا ہے۔

اس عنوان کے تحت تین مسئلے بیان ہوئے ہیں:

المسئلة الأولىٰ: في بيع الماء ومنعه عن الناس

یعنی پانی کو بیچنا اور لوگوں کو اس پانی کے استعمال سے منع کرنا

پانی کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ماء البحار والأنهار العظام

پانی کی یہ قسم ہر قسم کی انفرادی ملکیت سے آزاد ہے، اس میں تمام انسان برابر کے حق دار ہیں، اس کی نہ بیع درست ہے، نہ کوئی اس پانی سے کسی کو روکنے کا حق رکھتا ہے۔

۲۔ وہ نہریں جو کچھ لوگوں نے باہم مل کر بنائی ہوں، اس کا حکم بھی وہی ہے، مگر صرف فرق اتنا ہے کہ زراعت کے لئے اس سے پانی صرف وہی لوگ لے سکتے ہیں جن میں یہ نہر مشترک ہے، یعنی جنہوں نے اس کے بنانے میں حصہ لیا ہے۔

۳۔ وہ پانی جو کسی کی مملوکہ زمین میں چھوٹی چھوٹی نہروں وغیرہ کی صورت میں آتا ہو، اس سے زراعت کا حق صرف مالک کو ہے۔ کسی اور کا اس کی اجازت کے بغیر اس پانی سے اپنی زمین کو سیراب کرنا جائز نہیں، البتہ جانوروں کو پلانے یا انسانوں کے پینے سے مالک روک نہیں سکتا، نہ اس کی قیمت لے سکتا ہے۔

اور احادیث باب میں "بيع فضل الماء" کی نہی اسی قسم کے متعلق ہے، البتہ اس میں اتنی بات ہے کہ اگر جانوروں کی آمد و رفت سے نہر وغیرہ کے کنارے منہدم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو یا پانی اتنا کم ہو کہ مطلق اجازت دی تو صاحب ارض کی ضرورت پوری نہ ہو گی تو اس صورت میں اس قسم کے پانی سے روکنا جائز ہے۔

۴۔ وہ پانی جو کسی نے اپنے برتن وغیرہ میں بھر لیا ہو، اس پانی کی بیع بالاتفاق جائز ہے اور یہ انفرادی ملکیت سے آزاد نہیں اور اس کا مالک لوگوں کو روک بھی سکتا ہے۔

المسئلة الثانية: في الكلاء

یعنی خودرو گھاس کا مسئلہ

روایات تین قسم کی ہیں:

۱۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع فضل الماء.

۲۔ لا يمنع الماء ليباع به الكلاء.

۳۔ لا یباع الماء لیباع به الکلاء.

یعنی بیع الماء کو بیع الکلاء کا بہانہ نہ بنایا جائے، یعنی اگر جانوروں کو پانی پینے سے روکا جائے گا تو لوگ اپنے جانور اس جگہ پر چرا بھی نہ سکیں گے، کیونکہ چرنے کے بعد جانوروں کو پانی نہ ملے تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے، لہذا مجبوراً لوگ پانی مالک الارض سے خریدیں گے تو یہ ایسا ہوگا گویا صاحب ارض نے گھاس بیچی ہے اور ظاہر ہے کہ خودرو گھاس کا بیچنا جائز نہیں۔

گھاس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) غیر مملوکہ ارض مباحہ میں خود بخود نکل آتی ہو، یہ انفرادی ملکیت سے آزاد ہوتی ہے، اس کو سب لوگ استعمال میں لا سکتے ہیں، البتہ جو لوگ اس کو کاٹ لیں تو اس کی ملکیت میں آجائے گی۔

(۲) جو کسی کی ارض مملوکہ میں خود بخود نکل آئی ہو، اس کو کاٹنے سے مالک کسی کو روک نہیں سکتا، البتہ اپنی زمین میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے، لیکن اس صورت میں صاحب ارض سے کہا جا سکتا ہے کہ خود کاٹ کر دے دو۔

حدیث باب میں جس کلاء کی ممانعت ہے اس سے مراد قسم اول و دوم ہے۔

(۳) جو کسی نے کوشش کر کے اپنی زمین میں اگائی ہو، اس کا حکم یہ ہے صاحب ارض کی انفرادی ملکیت ہے، اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس سے لوگوں اور جانوروں کو روکنا بھی جائز ہے۔

المسئلة الثالثة: ضرب الجمل

"ضِراب" سے مراد جفتی ہے، اس کی اجرت میں علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور کے نزدیک یہ اجارہ باطل اور حرام ہے، اگر اس طرح کا معاملہ ہو جائے تو موجر نہ اجرت معینہ کا مستحق ہے اور نہ ہی اجرت مثل کا۔

اس کی دلیل احادیثِ باب ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مبیع مجہول القدر اور غیر مقدور التسلیم ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں

یہ اجارہ جائز ہے لحاجۃ الناس الیہ بشرط یہ کہ مدت معلوم یا ضروریات معلومہ کے لئے ہو اور حدیث میں نہی برائے تنزیہی ہے یا پھر مکارم اخلاق کی رعایت کے لئے ہے۔

باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن ...... إلخ

کتے کی قیمت، نجومی کی مٹھائی اور طائفہ کی کمائی کی حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، طائفہ کی کمائی اور نجومی کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔

شرح حدیث

اس باب میں چار مسائل کا بیان ہے:

۱۔ تحریم ثمن الکلب، ۲۔ تحریم حلوان الکاہن، ۳۔ تحریم مہر البغی، ۴۔ تحریم ثمن السنور

زانیہ کی اجرت

"بغيّ": زانیہ کو کہتے ہیں اور مہر سے مراد یہاں اجرتِ زنا ہے۔ زنا کی طرح اجرتِ زنا بھی حرام ہے۔

کاہن کی کمائی

"کاهن": وہ شخص جو علم غیب کا مدعی ہو اور مستقبل کے واقعات کی پیشن گوئی کرتا ہو۔ کاہن کا فعل بھی حرام، اس کی تصدیق بھی حرام اور اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

بلی کی بیع

"بیع السنور": حضرت ابوہریرہؓ اور بعض تابعین کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کی بیع اور اس کی قیمت کے لینے اور استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ باب کی آخری حدیث جو حضرت ابوالزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتے اور بلی کی قیمت کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈانٹا ہے، یعنی ان کی قیمت کے لینے اور استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

جمہور کے نزدیک سنور کی بیع اور اس کا ثمن حلال ہے، بشرطیکہ وہ منتفع بھی ہو، ورنہ جائز نہیں، اور نہی کی جو احادیث ہیں وہ تنزیہہ پر محمول ہیں، یا یہ کہ یہ سنور سے مراد غیر منتفع بہ ہے، یا یہ کہ یہ تحریض علی مکارم الاخلاق ہے۔

ثمن الکلب

کلب مضر (عقور) اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، غیر نافع اور غیر مضر (فضول) اس کی بھی بیع وشراء جائز نہیں۔

کلب نافع کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ نافع مع الضرر، لیکن اس کا مضرپن دور کیا جاسکتا ہے، ۲۔ نافع غیر مضر۔

کلب صید، کلب حراسہ اور کلب ماشیہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

مذاہب ائمہ

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے کتے کی بیع وشراء درست نہیں اور نہ اس کے قتل کرنے والے پر تاوان ہے، البتہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بیع وشراء تو

درست نہیں، لیکن متلف پر تاوان ہوگا۔

احناف کے نزدیک اس کی بیع وشراء بھی درست ہے اور تلف کرنے والے پر تاوان بھی ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا قول مشہور شوافع وحنابلہ کی طرح، جب کہ ایک قول احناف جیسا ہے۔

مستدلاتِ احناف

۱۔ عن أبن عباسؓ قال: "رخص رسول ﷺ في ثمن كلب الصيد".

(مسند الإمام الأعظمؒ ، جامع المسانيد)

مسند امام اعظم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت استعمال کرنے کی رخصت دی ہے۔

اور یہ ایک اہم اصول ہے کہ رخصت منع کی فرع ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ پہلے منع کیا گیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دی گئی۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ جب کلبِ صید کی اجازت دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ حدیث معلل بالعلۃ ہے اور وہ علت (انتفاع) کلبِ زرع اور کلبِ ماشیہ میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا کلب صید کی طرح کلب زرع اور کلب ماشیہ کی بیع وشراء بھی جائز ہوگی۔

۲۔ عن جابر رضي الله: "نهى رسول الله ﷺ عن ثمن السنور والكلب إلا كلب صيد". سنن النسائي

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی اور کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے، صرف کلب صید کے ثمن کا استثناء ہے۔

۴۔امام ترمذیؒ نے اسی معنی کی روایت حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کی ہے۔

۳۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے دو مرسل طرق سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جس نے کتے کو مار ڈالا تھا، بیس اونٹ تاوانا وصول کئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بھی متلف سے تاوان لیا تھا، اس بارے میں ایک موقوف روایت بھی نقل فرماتے ہیں: عن رسول اللہ ﷺ: "أنه قضى في كلب صيد قتله رجل بأربعين درهماً وقضى في كلب ماشية بكبش" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلب صید کو مارنے کے جرم میں تاواناً چالیس درہم اور کلب ماشیہ کو مارنے کے جرم میں ایک مینڈھے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

حضرت عطاءؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا مذہب بھی یہی تھا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلائل

۱۔ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے۔

۲۔رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے ثمن کو "خبیث" قرار دیا۔

جوابات

۱۔ان احادیث میں وارد نہی تحریم کے لئے نہیں، بلکہ فقط نہی تنزیہی ہے اور مقصد اس عمل کی شناعت کو بیان کرنا ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ ثمن کلب سے نہی کی روایات کو کہیں تو اجرت حجام کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور کہیں بلی کے ثمن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ان دونوں کی حرمت کا ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں، لہذا ثمن کلب (نافع) سے نہی بھی تحریم کے لئے نہیں ہے، بلکہ صرف بہتر اکتساب اختیار کرنے کی

ترغیب کی غرض سے ثمن کلب سے منع فرمایا ہے کہ یہ کوئی پسندیدہ پیشہ نہیں۔

خبیث کے دو معنی ہیں: ا۔خلافِ اولیٰ، یعنی مکروہ تنزیہی، ۲۔مکروہ تحریمی، یہاں مراد مکروہ تنزیہی ہے۔

۲۔دوسرا جواب یہ ہے کہ کلاب پر تین ادوار گزرے ہیں:

(۱) پہلا دور جس میں کتوں کے ساتھ انس ومحبت زیادہ تھی۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل عام کا حکم فرمایا، تاکہ یہود ونصاریٰ کی مخالفت ہو اور کتوں سے انسانوں کی انسیت میں کمی آئے۔

(۳) بعد میں یہ حکم مرتفع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کلاب سے منع فرمایا۔

لہذا نہی کی روایات دوسرے دور سے متعلق ہیں، لہذا تیسرے دور میں حکم کی تنسیخ کے ساتھ ساتھ انتفاع بھی جائز قرار دیا گیا۔

باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه

کتوں کو قتل کرنے اور پھر اس حکم کے منسوخ ہونے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔

شرح حدیث

نسخ حکم قتل کلاب کے دو دور ہیں:

ا۔تمام کتوں کے قتل سے منع فرمایا، سوائے "الأسود البهيم" کے، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عليكم بالأسود البهيم ذي النقطتين؛ فإنه شيطان" کہ صرف سیاہ دو نقطوں والے کتوں کو مارو، کیونکہ درحقیقت وہ شیطان ہے۔

۲۔عمومی طور پر منع فرمایا۔

روایات بھی دو قسم پر ہیں:

ا۔عبداللہ بن عمرؓ کی روایت، جس میں "إلا کلب صیدٍ أو کلب غنمٍ" کا استثنیٰ ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے دو قسم کے کتوں اور حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے تین قسم کے کتوں کا استثناء منقول ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے جب یہ کہا گیا کہ ابو ہریرہؓ تو تین چیزوں کا استثناء کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ کا تعلق زراعت سے ہے اور میرا تعلق عملاً زراعت سے نہیں۔ عملاً زراعت سے متعلق ہونے کی وجہ حضرت ابو ہریرہؓ کو پوری حدیث یاد تھی اور ابن عمرؓ کو جب پوری حدیث یاد آئی تو انہوں نے بھی کلب زراعت کا استثناء کیا۔

اس استثناء کی دو صورتیں ہیں:

(۱) تینوں حضرات نے استثناء سنا تھا، پھر عملاً تعلق نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ بھول گئے، پھر جب حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا تو انہیں یاد آ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے کتوں سے استثناء فرمایا تھا، بعد میں تسلسل سے استثناء کا ذکر فرماتے تھے۔

(۲) براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا، جب حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے تیسرا استثناء بھی ذکر فرمانا شروع کر دیا۔

استثناء اول کو ترجیح دی گئی ہے۔

اقتناء کلب کی دو صورتیں ہیں

(۱) للضرورۃ، یہ جائز ہے، (۲) بلاضرورۃ، اس کے عدم جواز پر اتفاق ہے۔

اقتناء کلب بلاضرورۃ اس کے بارے میں دو وعیدیں ہیں:

(۱) ایک قیراط کمی، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (۲) دو قیراط کمی، یہ عبداللہ بن عمرؓ

کی روایت ہے۔

’’قیراط‘‘: قدر معین جواللہ تعالیٰ کومعلوم ہے۔

تطبیق بین الروایتین

تطبیق کا طریقہ حضرات محدثین نے یہ ارشادفرمایا ہے کہ عدم اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، لہذا پہلے ایک قیراط کمی کا بتایا، پھر جب لوگ باز نہ آئے تو دو قیراط کی وعید سنائی گئی۔

مکان کے لحاظ سے بھی تطبیق ممکن ہے کہ حرمین میں دو قیراط کی کمی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ دوسری جگہوں میں ایک قیراط ثواب میں کمی ہوتی ہے۔

زمانے کے لحاظ سے، یعنی ایک قیراط دن کے اعمال سے اور ایک قیراط رات کے اعمال سے کم ہوتا ہے۔

عبادات کے لحاظ سے، یعنی ایک قیراط فرائض اور ایک قیراط نوافل سے کمی ہوتی ہے۔

شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ دخول ملائکہ سے مانع ہے اور ناجائز کام ہے تو عقوبت کے طور پر یہ معاملہ کیا گیا۔

کتا رکھنا مطلقاً دخول ملائکہ سے مانع ہے، اگر ضرورت کے تحت اقتناء ہو تو بعض محدثین اس کے دخول ملائکہ سے مانع نہ ہونے کے قائل ہیں، لیکن قول اول محقق ومؤید معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنے کا وعدہ فرمایا تھا، لیکن وقت مقررہ پر تشریف نہ لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ آنے کی وجہ سے حضور متفکر تھے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے کتا تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی بھی نفی ہوگئی، جب اس کو نکالا گیا تو جبرائیل علیہ السلام کی آمد ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا: ”إن معشر الملائكة لا يدخل بيتا فيه كلب أو تصاوير“ کہ ملائکہ ایسے گھر میں داخل

نہیں ہوتے جس میں کتایا کوئی تصویر ہو۔

اسی طرح بخاری کی روایت ہے:"لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب أو تصاوير". (كتاب اللباس، باب التصاوير: ۱۶۷۷/۲)

جب یہ عموم پر باقی ہے تو جن لوگوں کو اس کی ضرورت ہے وہ بھی نہ رکھیں، بلکہ اس سے دور رہیں۔

باب حِلِّ أجرة الحجامة

حجامہ لگانے کے معاوضہ کے حلال ہونے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پچھنے لگانے والے کی اجرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے ہیں۔ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے پچھنے لگائے اور آپ نے انہیں دو صاع اناج دینے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر والوں سے بات کی تو انہوں نے اس کا حصول کم کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل ان چیزوں سے جن سے تم دوا کرتے ہو پچھنے لگوانا ہے، یا یہ کہ تمہاری دواؤں میں بہتر دوا ہے۔

"سئل أنس بن مالكٌ عن كسب الحجام: فقال احتجم رسول الله ﷺ، حَجَمَهُ أبو طيبة، فأمر له بصاعين من طعامه".

اجرتِ حجامہ کا حکم

حجامت کی اجرت حلال ہے اور یہ پیشہ بھی حلال ہے۔

اس کی دلیل حدیثِ باب ہے۔

البتہ امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں: (۱) جمہور کے موافق، (۲) دوسری یہ کہ غلام کے لئے یہ پیشہ اور اس کا کسب حلال ہے، آزاد شخص کے لئے حلال نہیں۔

ا۔دلیل وہ روایت ہے جس میں اجرت حجامہ کو ''خبیث'' قرار دیا گیا۔

۲۔ عن جحيفة : "نهى رسول الله ﷺ عن ثمن الدم".

اس روایت میں ''دم'' کی تفسیر خون کو بیچنے یا پچھنا لگانے سے کی گئی۔

"كسب الحجامة خبيث" کو امام احمدؒ حر (آزاد) پر محمول کرتے ہیں اور ابو طیبہ کے واقعہ کو عبد پر، کیونکہ ابو طیبہ عبد تھے۔

جب کہ جمہور ''خبیث'' کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ یہ پیشہ نجاست سے تلوث کا ہے جو مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔

اور یہ فرق کرنا کہ اجرت حجامہ عبد کے لئے حلال ہے حر کے لئے نہیں، شریعت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جو مال حر کیلئے حرام ہو وہ عبد کے لئے بھی حرام ہوتا ہے، پھر خصوصاً یہ بات بھی ہے کہ عبد جو مال بھی کماتا ہے اس کی ملکیت تو آخر سید (آقا) کے پاس ہی آتی ہے تو معلوم ہوا کہ خبیث کے معنی حرام نہیں، بلکہ مقصد اس کی حقارت ودنائت بیان کرنا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کے ہاں مختار قول یہ ہے کہ احادیث نہی کا تعلق ابتداء سے ہے، بعد میں آپ نے اجازت دے دی تھی۔

"فوضعوا عنه مِنْ خَراجه" اس حدیث میں خراج اور آگے حدیث ثالث میں "ضَـــــريبَة" کا لفظ ہے۔ دونوں کا مطلب یہ ہے کہ مالک اپنے غلام کو یومیہ اجرت مقرر کردے کہ اتنی رقم روزانہ تم نے مجھے کما کر دینی ہے۔ ابو طیبہ ''بنو بیاضہ'' کے غلام تھے۔ انہوں نے ابو طیبہ پر جو ٹیکس لگایا تھا کہ اتنی آمدن ہمیں لا کر دینی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس میں کمی کی سفارش کی تو انہوں نے اسے کم کر دیا۔

"إن أفضل ما تداويتم" یہ افضلیت شرعی نہیں، بلکہ طبعی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل حجاز کے لئے ہے۔

"القسط البحري": یہ لفظ حدیثِ ثانی میں ہے۔ یہ جڑی بوٹی کا نام ہے۔ اسے اردو میں "کوٹ" یا "کوٹھ" اور ہندکو میں "کٹھ" کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ سفید، اس کو قسط بحری یا عود بحری کہتے ہیں۔

۲۔ سیاہ، اسے ہندی میں قسط ہندی یا عود ہندی کہتے ہیں۔

باب تحريم بيع الخمر

حرمت شراب کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں خطبہ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ شراب کی حرمت کا اشارہ فرماتا ہے، اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کوئی حکم جلدی نازل فرمادے، لہذا جس کے پاس اس میں سے کچھ ہو، وہ اسے فروخت کردے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں چند ہی روز ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کردیا ہے، لہذا جسے حرمت کی آیت معلوم ہوجائے اور اس کے پاس شراب میں سے کچھ ہو تو نہ اس کو پیئے اور نہ ہی فروخت کرے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چنانچہ جن لوگوں کے پاس شراب تھی وہ اسے مدینہ کے راستہ پر لائے اور بہادیا۔

شرح حدیث

عمومی استعمال کی اشیاء میں اصل حلت ہے یا حرمت؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں۔

(۱) اصل حلت ہے (۲) اصل حرمت ہے (۳) توقف (۴) شریعت سے قبل ''لاحکم ولا تکلیف'' یہ توقف کے قول کے قریب ہے۔

حرمت کے مختلف ادوار

حرمت کا پہلا موقعہ وہ ہے جب سورۂ مائدۃ نازل ہوئی:

﴿یا أیھا الذین امنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ﴾ [المائدۃ: ۹]

حرمت کا دوسرا موقع وہ تھا جب حرمت ربوا کا حکم نازل ہوا۔

بعض حضرات جو دونوں مواقع پر موجود تھے، وہ یہ سمجھے کہ حرمت خمر دوبارہ بیان کی جارہی ہے اور جو لوگ پہلے موقع پر موجود نہ تھے وہ یہ سمجھے کہ اس کا حکم ابھی بیان ہو رہا ہے، حالانکہ اس کا حکم پہلے بیان ہو چکا تھا۔

باب تحریم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کی حرمت کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کردیا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے، اس لئے کہ وہ تو کشتیوں پر ملی جاتی ہے اور کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور لوگ اس سے روشنی کرتے ہیں (چراغ جلاتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے، پھر اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کردے، جب اللہ تعالیٰ نے ان

پر چربی کا کھانا حرام کیا تو اس کو انہوں نے پگھلایا اور بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔

شرح حدیث

اس باب میں چار جزئیات کا بیان ہے:

(۱) خمر (۲) میتہ (۳) خنزیر (۴) اصنام

ان میں پہلی تین چیزوں کی بیع بالاجماع حرام ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اس کی بیع کی کوئی صورت بھی جائز نہیں۔

اور ''اصنام'' میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ان کو "من حیث کونها أصناما" فروخت کیا جائے تو بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے تو اہانتاً اس کا استعمال درست ہے اور بیع اس لئے درست نہیں کہ عمومی منفعت نہیں۔

مردار کے گوشت سے انتفاع کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔

جمہور کے نزدیک اس کی بیع اور اس سے کسی بھی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی بیع تو جائز نہیں، لیکن اس کے علاوہ کسی اور قسم کا انتفاع جائز ہے۔

جمہور کی دلیل

جمہور کا استدلال حدیث باب سے ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: "لا هو حرام" اس جملے میں مذکور ضمیر "إطلاء السفن" کی طرف راجع ہو رہی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل

امام شافعیؒ کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے، مگر "هو" کا مرجع بیع کو قرار دیتے ہیں جس کا ذکر اسی حدیث کے ماقبل میں آچکا ہے، تو معلوم ہوا کہ صرف بیع حرام ہے، دیگر استعمالات حرام نہیں۔

باب الربا

سود کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر سرابر، کم زیادہ فروخت نہ کرو، اور چاندی چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر سرابر، کم زیادہ نہ کرو، اوران میں سے کسی کو ادھار بھی فروخت نہ کرو۔

تلفظِ ربا

کتابت کے تین طریقے ہیں:

۱۔ربا، ۲۔الربوا، ۳۔الربیٰ

الفاظ مترادفہ

۱۔ربا، ۲۔رما، ۳۔ربیہ

''ربا'' کا لغوی معنی: زیادتی و بڑھوتری، اور اصطلاحی معنی: "هو الفضل في المبادلة المالية بلاعوض" کہ ''ربا'' مبادلۂ مالیہ میں موجود ایسے اضافے کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو۔

ثبوت حرمت ربا

قرآن وحدیث اور اجماع سے حرمت ربا ثابت ہے، قرآن کی سات آیات اور کثیر احادیث مبارکہ ربا کی حرمت کے بارے میں ہیں۔

فائدہ

قرآن، سنت، اجماع میں سے کسی ایک سے جب کسی چیز کا ثبوت ہو تو یہ کہہ سکتے

ہیں کہ یہ حکم ثابت ہے۔

ربا کی حرمت میں دو چیزیں سمجھنے کی ہیں:

۱۔حرمت ربا کے متعلق نازل شدہ آیات اس وقت کے مروج ربوا کے بارے میں تھیں اور اس وقت "ربوا في القرض" مروج تھا، اور "ربوا في القرض" کو "ربا في النسيئة" اور "ربا القرآن" بھی کہتے ہیں۔

۲۔دوسری قسم "ربا في القرض" سے ملحق ہے جو "ربا الحدیث" بھی کہلاتی ہے۔

"ربا في القرض" کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ ربا المفرد: مثلاً ایک مہینہ کے لئے ۱۰۰ روپیہ قرض دیا، اس شرط کے ساتھ کہ مہینہ پورا ہونے پر ایک سودس روپے واپس کرو گے۔

۲۔ ربا المرکب: ایک مہینہ میں واپس نہ کیا تو دس روپے میں مزید دس روپے کا اضافہ ہوگا اور عدم ادائیگی کی صورت میں اسی طرح ہر مہینہ بڑھتا جائے گا۔

اس کو ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً﴾ فرمایا۔[آل عمران:۱۳۰]

کہ اے ایمان والو! سود کو بڑھا چڑھا کر مت کھاؤ۔

فائدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور الحاق ربا فی المعاملات کی چھ چیزیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ذھب،۲۔فضہ،۳۔حنطۃ،۴۔تمر،۵۔ملح،۶۔شعیر

اب اس میں یہ شبہ ہوا کہ یہ حکم ان چیزوں میں منحصر ہے یا یہ حکم معلوم بالعلۃ ہے اور پھر علت میں بھی شبہ تھا۔

امام داؤد ظاہریؒ: ان کے نزدیک یہ حکم ان چھ اشیاء میں منحصر ہے اور یہ حکم معلول بالعلۃ نہیں ہے، جب کہ جمہور فقہاءؒ کے نزدیک یہ حکم معلول بالعلۃ ہے، پھر علت کے

بارے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ احناف کے نزدیک علتِ ربا "القدر مع الجنس" ہے اور یہی قول حنابلہ کا بھی ہے، جب کہ شوافعؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک ذہب وفضہ میں ثمنیت مع اتحاد الجنس اور ذہب وفضہ کے علاوہ میں امام شافعیؒ کے ہاں ''طعم'' اور مالکیہ کے ہاں ''ادخار مع الجنس'' علتِ ربا ہے۔

علت میں اختلاف کی وجہ سے جزئیات میں اختلاف ہوگا۔

عندالحنفیۃ: اس معاملے میں چار صورتیں ہیں:

۱۔ قدر مع الجنس: معاملہ چاہے بیع وشراء کا ہو یا قرض کا ہو، اگر مبیع وثمن وغیرہ دونوں کیلی ہوں تو مساوات اور تقابض فی المجلس ضروری ہوں گے۔

۲۔ قدر مع الجنس: ہو تو تفاضل اور نساء (ادہار) دونوں ناجائز ہیں۔

۳۔ قدر ایک ہو، یعنی دونوں کیلی ہوں، مگر جنس دونوں اشیاء کی ایک نہ ہو تو فقط تفاضل جائز ہے، نساء جائز نہیں۔

۴۔ جنس متحد ہو تو فقط تفاضل جائز ہے اور نساء ناجائز ہے۔

باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقداً

بیع صرف، اور سونے کی چاندی کے بدلے نقد بیع کا بیان

تلفظ لفظ ''ھاء'' جو کہ باب کی پہلی حدیث میں بروایتِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وارد ہوا ہے۔ اس کی اصل ''ھاک'' ہے جس کا معنی ہے: ''خذ''، یعنی یہ لو۔ پھر کاف کو ہمزہ سے بدل دیا تو ''ھاءَ'' بن گیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ ''لو'' اور پھر دونوں مجلس مبیع اور ثمن پر قبضہ کریں۔

مسئلہ

سونے یا چاندی کا ہار اگر سونے یا چاندی کے عوض بیچا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟
عندالاحناف اس کی تین صورتیں ہیں:
(۱) سونے یا چاندی کی مقدار ہار میں زیادہ ہو، (۲) سونے یا چاندی کی مقدار ہار میں کم ہو۔ (۳) سونے یا چاندی ہار میں موجود سونے یا چاندی کے برابر ہو۔
پہلی صورت میں بیع جائز نہیں، کیونکہ ہار میں موجود سونے یا چاندی کی مقدار خالی عن العوض ہے، ایسے ہی تیسری صورت میں بھی بیع ناجائز ہے، کیونکہ اس میں سونا یا چاندی ہار میں موجود سونے یا چاندی کے تو برابر ہے، مگر جو بقیہ ہار ہے وہ خالی عن العوض ہے۔
البتہ دوسری صورت میں بیع جائز ہے، کیونکہ سونا یا چاندی سونے یا چاندی کے بدلے میں ہو جائے گا اور جو ایک طرف زائد سونا ہوگا وہ بقیہ ہار کے مقابلے میں ہو جائے گا۔
جمہور کا مسلک اس بارے میں یہ ہے ایک ساتھ ملا کر بیچنا جائز نہیں، کیونکہ کچھ چیزیں بلاعوض آ رہی ہیں۔

باب أخذ الحلال وترك الشبهات

حلال لینے اور شبہات کو چھوڑنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور نعمان نے اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً حلال بھی بین وظاہر ہے اور حرام بھی بین وظاہر ہے، لیکن حلال اور حرام کے درمیان امور مشتبہ ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے، لہذا جو کوئی شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا اور جو شبہات

میں پڑا وہ حرام میں گرفتار ہوا، جیسا کہ وہ چرانے والا جو حدود اور باڑ کے چاروں طرف چراتا ہے، قریب ہوتا ہے کہ اس کے جانور باڑ اور حدود کے اندر سے بھی چر جائیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہر ایک بادشاہ کی ایک حد ہوتی ہے اور خبردار اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ جان لو کہ جسم میں گوشت کا ایک حصہ ہے، اگر وہ درست ہو گیا تو سارا بدن درست اور ٹھیک ہو گیا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا جسم ہی بگڑ جائے گا۔ یاد رکھو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا اور حصہ قلب، یعنی دل ہے۔

"إن الحلالَ بيّنٌ والحرامَ بيّنٌ وبينهما مشتبهاتٌ".

محدثین اس روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اسلام کے تین حصے ہیں اور ان تینوں حصوں کا مدار ان تین احادیث پر ہے:

۱۔ روایتِ نعمان بن بشر: "إنَّ الحلالَ بيّنٌ والحرامَ بيّنٌ وبينهما مشتبهاتٌ".

۲۔ "إنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ".

۳۔ "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ".

امام داؤدؒ کے نزدیک اسلام کے چار ارباع ہیں: تین جو اوپر مذکور ہوئے اور چوتھا ربع حدیث: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُم حتىٰ يُحِبَّ لأخيهِ مَا يُحبُّ لنفسه" یا "ازْهَدْ في الدُّنيا يُحِبُّكَ اللّٰهُ، وازهدْ فيما عندَ النَّاس يحبُّكَ الناسُ" میں بیان ہے۔

حلال کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حسی، (محسوس) ۲۔ معنوی، (غیر حسی)

خبز، زیت، سمن، یہ قسم اول میں داخل ہیں اور مستعملات میں سے حلال حسی ہیں اور باقی اشیاء جو دیگر حواس سے معلوم ہوتی ہیں، مثلاً حلال نظر وغیرہ، یہ قسم ثانی میں داخل

ہے، اسی طرح حرام کی بھی مذکورہ دو قسمیں ہیں۔

بینھما مُشتبھاتٌ: روایت پانچ طرق سے مروی ہے:

۱۔ مُشْتَبِهَاتٌ، ۲۔ مُتَشَبِّهَاتٌ، ۳۔ مُشْبِهَاتٌ، ٤۔ مُشَبَّهَاتٌ، ۵۔ مُشَبَّهَاتٌ

وجہ ذکر روایت فی کتاب البیوع

حلال کھانا استعمال کرنے کا پورے جسم پر اثر پڑتا ہے، خصوصا دل پر، تو ہر چیز میں خالص حلال کا اہتمام ہونا چاہیے، تا کہ انسان کے تمام اعضاء صحیح رہیں، وگرنہ اگر دل خراب ہو گیا تو تمام نظام خراب ہو جائے گا، جس کی وجہ سے انسان کے معاملات بیع وشراء وغیرہ بھی خراب ہوں گے۔

باب بیع البعیر واستثناء رکوبه

اونٹ کی بیع، مگر سواری کے استثناء کے ساتھ

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر جارہے تھے، وہ تھک گیا تو انہوں نے اسے آزاد کر دینا چاہا۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ آپ نے میرے لئے دعا فرمائی اور اونٹ کو مارا، چنانچہ وہ ایسا تیز چلا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں چلا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ (چاندی) میں بیچ ڈال۔ میں نے عرض کیا: نہیں، (یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: بیچ دے۔ میں نے اسے ایک اوقیہ میں بیچ دیا اور اپنے گھر تک سواری کی شرط لی، جب اپنے گھر پہنچ گیا تو میں اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فورا مجھے قیمت دی، میں لوٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے قاصد بھیجا اور فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ

میں نے تمہارے ساتھ قیمت کے معاملے میں کمی کی ہے؟ اپنا اونٹ لے جا اور یہ درہم بھی تیرے ہی ہیں۔

شرح حدیث

احناف اور شوافع کے نزدیک مسافت کم ہو یا زیادہ، یہ استثناء کرنا کہ میں اتنے میل استعمال کروں گا، جائز نہیں ہوگا، البتہ امام مالکؒ کے ہاں اگر مسافت قلیل ہو تو اس کی گنجائش ہے، جب کہ حنابلہ کے نزدیک مسافت قلیلہ اور کثیرہ دونوں میں شرط لگانا صحیح ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور مالکیہؒ کا مستدل

روایت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ بیچا اور مدینہ تک سواری کا استثناء کیا کہ مدینہ تک میں سوار ہوں گا۔

جمہور کا استدلال

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الثنية في بيع".

بقول امام نووی رحمہ اللہ اس استدلال میں کچھ شبہ ہے کہ یہاں پر استثناء معلوم ہے۔

واضح استدلال

۱۔ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط" سے ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ بیع اور شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔ (جامع المسانید)

۲۔ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشرط في البيع" کہ آپ علیہ السلام نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذي)

شرط بر دو قسم است

۱۔ شرط ملائم عقد، ۲۔ شرط غیر ملائم للعقد

شرط ملائم کی اجازت ہے، غیر ملائم کی اجازت نہیں، اور شرط غیر ملائم یہ ہے کہ جس میں بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو۔ (مبیع کا فائدہ اس صورت میں ہے جب مبیع فائدہ کا اہل ہو) اور یہاں مذکور مسئلہ میں بائع کا فائدہ ہے، لہذا یہ شرط ملائم عقد نہیں، اس لئے ایسی شرط جائز نہیں ہوگی۔

احناف کی طرف سے روایتِ جابر کی تاویل

ا۔ یہ جواب "علی سبیل المنع" ہے کہ ان دو حضرات کے درمیان بیع کا معاملہ نہیں ہوا تھا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کو کچھ ہدیہ اور عطیہ دینا چاہتے تھے، مگر حضرت جابر رجل مستحی تھے، تو ان کی طبیعت کی رعایت رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت اختیار فرمائی اور مدینہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو مبیع اور ثمن دونوں عطا فرمائے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بیع مان بھی لیں تو یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے اور یہ حضرت جابر کی خصوصیت ہے کہ بعض حالات کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا تھا اور یہ قواعد کلیہ کے خلاف نہیں۔

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ بات عین ایجاب وقبول کے وقت نہیں کی، بلکہ معاملہ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ میرے پاس سواری نہیں، مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً اجازت دے دی تھی۔

۴۔ اس روایت میں یہ احتمال بھی ہے کہ نفس عقد میں شرط نہیں لگائی گئی تھی، بلکہ عقد سے اس شرط کا کوئی تعلق نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مبیع استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔

باب جواز اقتراض الحیوان

جانوروں کو قرض پر لینے کے جواز کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے اونٹ کا بچہ قرض لیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے حضرت ابورافع کو اس کا اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔ ابورافع رضی اللہ عنہ آپ کے پاس لوٹ کر آئے اور عرض کیا کہ ان اونٹوں میں تو اس جیسا کوئی نہیں ہے، مگر اس سے بہتر پورے سات برس کے اونٹ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے وہی دے دے، بہترین وہ آدمی ہے جو قرض کو خوبی کے ساتھ ادا کرے۔

جانور کو قرض لینے کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نے تین مذاہب نقل کئے ہیں:

۱،۲۔ مالکیہ وشافعیہ کے ہاں اقتراض الحیوان جائز ہے، یعنی حیوان کا قرض لینا اور دینا مطلقاً جائز ہے۔ دلیل حدیثِ باب ہے، البتہ جاریہ کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ "مما لا یملك وطیها" کو دے سکتے ہیں، اور "مما یملك وطیها" کو دینا جائز نہیں۔

۳۔ داؤد ظاہری اور امام مزنی رحمہما اللہ: مطلقا ہر قسم کے حیوان کے اقتراض واستقراض کے جواز کے قائل ہیں۔

۴۔ فقہاءِ احناف رحمہم اللہ: حیوان کا قرض لینا اور دینا کسی صورت جائز نہیں۔

ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جوابات

۱۔ یہ حرمت ربا سے قبل کا واقعہ ہے، جب ربا کی حرمت نازل ہوئی تو سب معاملات منسوخ ہو گئے۔

۲۔ علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔

۳۔علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اونٹ ادھار ثمن پر خریدا تھا، لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن کے بدلے میں اونٹ دے دیا، مگر راوی نے اسے یوں تعبیر کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ قرض پر لے کر ادائیگی بھی اونٹ کے ذریعے کی۔

اشکال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں سے ذاتی قرض کیوں عطا فرمایا؟

ا۔علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے نہیں، بلکہ بیت المال کے لئے اونٹ قرض پر لیا تھا اور بیت المال کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے لئے اور اس پر حقوق مجہولہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابل صدقہ کو تقسیم فرمادیا تھا اور پھر اس شخص سے اونٹ خرید کر اس دائن کا قرض ادا کردیا۔

باب جواز بيع الحيوان بالحيوان من جنسه متفاضلا

ایک جنس کے حیوانوں کی آپس میں تفاضل کے ساتھ بیع کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک غلام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے، پھر اس کا مالک اسے لینے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اسے میرے ہاتھ فروخت کردے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کالے غلام دے کر اسے خرید لیا، اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بیعت نہ لیتے تھے تاوقتیکہ معلوم نہ کر لیتے کہ یہ غلام ہے یا آزاد۔

شرح حدیث

ثمن اور مثمن دونوں حیوان ہوں تو دو صورتیں بنتی ہیں:

۱۔جنس کو جنس کے عوض بیچنا،۲۔جنس کو غیر جنس کے عوض بیچنا

صورت ثانی میں تفاضل اور نساء دونوں صحیح ہیں اور صورت اول میں عندالاحناف نقد ابیچا تو تفاضلا جائز اور نساء نا جائز ہے۔

شوافع اور باقی حضرات کے ہاں تفاضل اور نساء دونوں جائز ہیں۔

ان کا استدلال عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے ہے:"إِنَّ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أمرهُ أن يُجَهِّزَ جيشاً فنَفِدَتِ الإبلُ فأمرهُ أن يأخذهُ في قَلَّاصِ الصَّدَقَةِ فجعلَ يأخذُ البَعيرَ بالبعيرينِ إلى إبلِ الصَّدقةِ". [سنن أبي داود]

کہ آپ علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ ایک لشکر تیار کریں، مگر معلوم یہ ہوا کہ اونٹوں کی کمی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کی کمزور اور کم عمر اونٹنیوں کے عوض اونٹ لے لو، تو حضرت عبداللہ بن عمرو دو دو اونٹنیوں کے عوض ایک ایک (لڑائی کے قابل) اونٹ لیتے رہے۔

شوافع کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء جائز تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ نسخ پر دلیل اصحاب سنن کی روایت ہے جو حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کی حیوان کے بدلے ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ حدیثِ سمرۃؓ حدیثِ عبداللہ بن عمروؓ کے لئے ناسخ ہے۔

نیز احناف کا مستدل بھی یہی حدیث سمرۃ ہے۔

(جامع الترمذي، باب ما جاء في كراهية بيع الحيوان بالحيوان نسيئة، ج: ١، ص: ٣٦٥، سنن أبي داود، باب في الحيوان بالحيوان: ١٢٢/٢، صحيح

البخاري، سنن النسائي في البيوع، باب بيع الحيوان بالحيوان نسيئة: ۷/ ۲۹۲، سنن ابن ماجه، أبواب التجارات، باب الحيوان بالحيوان نسيئة، رقم: ۲۲۷۰)

باب الرهن وجوازه في الحضر والسفر

رہن کا بیان، سفر وحضر میں رہن جائز ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے اناج ادھار خریدا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ دی۔

رہن کا لغوی واصطلاحی معنیٰ

''رہن'' لغت میں کہتے ہیں: "حبس الشيء بأي سبب كان".

کسی بھی وجہ سے کسی چیز کو روک کے رکھنا

اور اصطلاحا: "جعل الشيء محبوسا بحق يمكن استيفاء ه منه".

اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ چیز کو کسی حق کے عوض روک کر رکھنا کہ اس چیز کو روکے رکھنے کی وجہ سے اپنا حق وصول کرنا ممکن ہو۔

امام مجاہدؒ اور داؤد ظاہریؒ: رہن صرف سفر میں جائز ہے، حضر میں جائز نہیں۔

دلیل: ﴿وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهنٌ مقبوضة﴾ [البقرة: ۲۸۳]

آیت میں صرف سفر کا ذکر ہے۔

جمہور: رہن سفر میں بھی اور حضر میں بھی جائز ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے۔

آیت کا جواب

آیت میں سفر کی قید اتفاقی ہے۔

سعید بن جبیرؒ: "رهن في السلم" ربا کے حکم میں ہے۔

جواب: حدیث باب سے رہن فی السلم کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، امام اوزاعیؒ: سے رہن فی السلم کی کراہت منقول ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ایک قول میں بھی کراہت کا ثبوت ملتا ہے۔

باقی جمہور حضرات رہن فی السلم کی اجازت دیتے ہیں۔

دلیل: ﴿إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه ..... فرهن مقبوضة﴾ تک، اس آیت میں رہن کا لفظ عام ہے جس میں رہن فی السلم بھی داخل ہے۔

حدیث پاک سے یہ جزئیہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ ذمی کے ساتھ عقد رہن منعقد کیا جا سکتا ہے۔

باب السلم

بیع سلم کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگ ایک سال یا دو سال کے لئے پھلوں میں سلم کیا کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کھجور میں بھی سلم کرے تو کیل (ماپ) معلوم اور وزن معلوم میں مدت معینہ تک کرے۔

سَلِم من س سلاماً وسلامة، سلّم من ض سلْماً: حوالہ کرنا، یہاں اسی باب سے ہے، اس کو سلَفَ من ن سلفاً وسلوفاً (آگے ہونا) بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس

میں رأس المال پہلے اور مبیع بعد میں دی جاتی ہے۔

سلم

صاحب ہدایہ نے اس کی تعریف "بیع آجل بعاجل" سے کی ہے۔
''آجل'' مبیع اور ''عاجل'' سے ثمن مراد ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ نے یہ تعریف فرمائی ہے اور اسے "أحسن" فرمایا ہے:
"إنه عقد على موصوف في الذمة ببدل يعطى عاجلا".
یعنی بیع سلم اس کو کہتے ہیں کہ قیمت پیشگی ادا کر دی جائے اور مال دینے کے لئے ایک وقت متعین کر دیا جائے۔

قیاساً یہ بیع ناجائز ہونی چاہیے، مگر اس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ نے سلم کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں ''اطول الآیات'' نازل فرمائی۔

اصطلاحات سلم

بائع: مسلم الیہ، مشتری: رب السلم، مبیع: مسلم فیہ، ثمن: رأس المال
سلم کی شرائط مختلف فیہا ہیں۔

شرائط سلم عند الامام الاعظم

۱۔جنس معلوم ہو، ۲۔نوع معلوم ہو، ۳۔صفت معلوم ہو، ۴۔اجل (مدت) معلوم ہو، ۵۔مقدار معلوم ہو، ۶۔راس المال کی مقدار معلوم ہو، ۷۔ تسمية المكان الذي يوفى فيه کہ وہ جگہ بھی بیان کی جائے جہاں مبیع کو ادا کرنا ہے۔

پہلی پانچ شرائط متفق علیہا ہیں اور چھٹی وساتویں شرط جمہور کے ہاں نہیں۔

حضرات شوافع کے ہاں اجل کی شرط (نمبر۴) بھی نہیں اور دوسرے فقہاء مکان معلوم ہونے کی شرط بھی ضروری قرار نہیں دیتے، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مکانِ ایفاء متعین ہے اور وہ مکانِ عقد ہے۔

اجل اقل کے بارے میں ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصف یوم سے زائد ہونا چاہیے۔ ابوعمران شیخ طحاوی سے تین دن کی روایت ہے۔ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس مدت میں مسلم فیہ حوالہ کی جاسکے۔ ایک قول دس دن کا بھی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ایک ماہ کا ہے اور صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: وعلیه الفتوی.

فائدہ

چار قسم کی روایات کا ذکر ہے، سب کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے اور ان کے آگے چار شاگرد ہیں:

۱۔ سفیان بن عیینہ، ۲۔ سفیان ثوری، ۳۔ عبدالوارث، ۴۔ اسماعیل بن ابراہیم۔

سفیان بن عیینہ: یہ ''اجل'' (مدت) کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

سفیان ثوری: یہ بسا اوقات ''اجل'' کا ذکر فرماتے ہیں اور بسا اوقات نہیں۔

عبدالوارث: یہ ''اجل'' کا تذکرہ نہیں کرتے۔

اسماعیل بن ابراہیم: یہ بھی ''اجل'' کا تذکرہ نہیں کرتے۔

تو اجل کی زیادتی زیادہ ثقہ ہے جو کہ مقبول ہوتی ہے اور جن حضرات نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی، وہ شاید یہ زیادتی محفوظ نہ کر سکے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابن ابی نجیح نے ان دو حضرات کو یہ الفاظ نہ سنائے ہوں۔

فائدہ

ابن عیینہ سے دونوں طرح روایت منقول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عیینہ نے

دونوں طرح سنا ہوگا، تو اس کو نقل بھی دونوں طرح کر دیا۔

باب تحريم الاحتكار في الأقوات

اشیائے خورد ونوش میں ذخیرہ اندوزی کے حرام ہونے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت معمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو کوئی احتکار کرے وہ گنہگار ہے۔ حاضرین نے سعید بن المسیب سے کہا کہ تم احتکار کرتے ہو؟ تو حضرت سعید بولے کہ حضرت معمر رضی اللہ عنہ جو حدیث بیان کر رہے ہیں وہ بھی احتکار کیا کرتے تھے۔

''احتکار'' کا اطلاق مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوگا.

۱۔ حبس الطعام ہو بوقت الغلاء (مہنگائی، گرانی)۔

۲۔ شراء بوقت الغلاء۔

۳۔ بیچنے کے ارادے سے مزید مہنگائی کے وقت تک روکے رکھنا۔

اس تعریف کے مطابق احتکار ''اقوات'' (غذائی اجناس) میں ناجائز ہے۔

نیز جن چیزوں میں احتکار ناجائز ہے، اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو باقاعدہ خریدا ہو، اگر ہبہ میں ملے یا وراثت میں ملے تو یہ تعریف صادق نہ آئے گی اور غلہ کا اسی شہر کا ہونا ضروری ہے، اگر غلہ باہر سے آیا ہو، تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جواز کے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کراہت کے قائل ہیں اور امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ یہ تفصیل فرماتے ہیں کہ اگر غلہ شہر میں آتا رہتا ہو، تو احتکار ہے، ورنہ نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ اس میں ضرر عام ہو۔

قال سعيد: "إنَّ معمراً الذي كان يُحدِّثُ هذا الحديث كان يحتكر".

(ص ۳۱، ج:۳)

اس روایت کا ظاہری معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ صحابی کا عمل حدیث کے خلاف لازم آئے گا، اس لئے یا تو روایت منسوخ ہے یا مؤول۔

لیکن راجح یہ ہے کہ روایت مؤول ہے اور وہ تاویل یہی ہے کہ حدیث میں ذکر کردہ احتکار کا تعلق ''اقوات'' کے ساتھ ہے، غیر اقوات میں احتکار جائز ہے اور یہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے زیتون کا احتکار فرمایا تھا اور وہ جائز ہے، یا یہ حضرات احتکار فی غیر الاقوات کرتے تھے۔

باب النهي عن الحلف في البيع

عقد بیع میں قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اسباب (سامان) کو تو چلانے والی ہے مگر نفع کو ختم کردینے والی ہے۔

حدیث باب بیع وشراء میں قسم کی کراہت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حالف کاذب ہو تو عین حرام اور اگر حالف صادق ہو تو بھی مکروہ ہے، کیونکہ یوں یہ شخص عادی ہو کر حلف کاذب کا ارتکاب کرے گا۔

شرح حدیث

اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ کثرتِ حلف کی عادت ہو، ۲۔ عادت نہ ہو، کبھی کبھار کھالیتا ہو۔

یہ دونوں ممنوع ہیں۔

باب الشفعة

شفعہ کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا کوئی زمین یا باغ میں شریک ہو تو اس کے لئے اپنے شریک سے اجازت لئے بغیر اپنا حصہ فروخت کرنا درست نہیں ہے، پھر اگر راضی ہو تو لے لے اور ناراض ہو تو چھوڑ دے۔

الشفعة: فُعْلَة" کا وزن ہے، یہ بمعنی مفعول استعمال ہوتا ہے۔ حضرات فقہاء اس کا معنی ''ضم'' کے لیتے ہیں، بمعنی: ملانا۔

اصطلاحی تعریف

هي تملك الأرض (البقعة) جبرا على المشتري بما قام عليه.

جتنے میں مشتری نے زمین خریدی اتنے میں ہی (مشتری کی خریدی ہوئی) زمین کا مالک بننا، خواہ مشتری ناراض ہی کیوں نہ ہو۔

مشروعیتِ شفعہ کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

یعنی پڑوس اور شراکت کی بنیاد پر دوسرے کی زمین یا مکان کو اپنی زمین یا مکان کے ساتھ ملانے کے حق کو ''شفعہ'' کہتے ہیں۔

حکمت

جار یا شریک بعض اوقات ایسے شخص کو پڑوس میں لانا پسند نہیں کرتا جس کے ساتھ اس کا دینی یا ذاتی اختلاف ہو۔

حق کا ثبوت، طلبات ثلاثہ

حق شفعہ کا ثبوت طلب مواثبت، طلب تقریر اور طلب اشہاد کے بعد ہوتا ہے اور جب تک شریک (شفیع) کو بیع کا علم نہ ہو، اس وقت تک حق ساقط نہ ہوتا۔

کن چیزوں میں شفعہ ہوسکتا ہے؟

عند الجمہور: شفعہ صرف اشیاء منقولہ میں ثابت ہوگا۔

استدلال: "لا شفعة إلا في دار أو عقار" سے ہے، کیونکہ یہ اشیاء غیر منقولہ ہیں۔

عند البعض: منقولات وغیر منقولات دونوں میں ہوسکتا ہے۔

استدلال: "الشفعة في كل شيء" سے ہے۔

ترتیب شفعہ

۱۔ شریک فی نفس المبیع ،۲۔ شریک فی حق المبیع ،۳۔ جار ملاصق

یہ ترتیب حنفیہ کے ہاں ہے اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں فقط شریک فی نفس المبیع کو ہی شفعہ کا حق حاصل ہوگا، باقی دوسرے شرکاء کو نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

"عن جابر قال: قضىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة في كل شركةٍ لَمْ تُقْسَمْ، رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ، لا يَحِلُّ لهُ أن يبيعَ، حتىٰ يؤذِن شريكه، فإنْ شَاءَ أَخَذَ، وإنْ شَاءَ تَرَكَ، فإذا باعَ ولم يؤذِنه فهو أحقُّ بِهِ". (ص:۳۲، ج:۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے حق شفعہ کا ہر اس شراکت میں جسے تقسیم نہ کیا جاسکتا ہو، کسی زمین یا باغ کی شراکت میں ایک شریک کو جائز نہیں کہ وہ اپنے شریک کو اطلاع دیئے بغیر وہ باغ یا زمین فروخت کرے۔

اسی طرح یہ حضرات "فإذا وقعت الحدودُ وصُرِفَتِ الطُّرقُ" کے مفہوم مخالف سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

حضرات حنفیہ کے دلائل

۱۔روایت جابر: "الجار أحق بشفعته".

۲۔روایت سمرة: "جار الدار أحق بدار الجار والأرض".رواه الترمذي وأبوداود

۳۔ "الجار أحق بسقبه". (صحيح البخاري، سنن النسائي)

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ صرف شریک فی نفس المبیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں، بلکہ یہ حق پڑوسی کو بھی اس کے قرب کی وجہ سے شریعت سے دیا ہے۔

روایت جابر رضی اللہ عنہ کا جواب

یہ روایت شریک فی المبیع کو ثابت کرتی ہے اور باقی سے ساکت ہے، اور "فإذا وقعت الحدود" سے استدلال "جار الدار أحق بالدار، الجار أحق بشفعته" جیسی صریح نصوص کے خلاف ہے۔

باب غرز الخشبة في جدار الجار

پڑوسی کی دیوار میں لکڑی کا شہتیر گاڑنا

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ تم اس حدیث سے دل چراتے ہو، خدا کی قسم! میں اس حدیث کو تم سے ضرور

امام احمد رحمہ اللہ: اجازت دینا واجب ہے۔
یعنی: حدیث باب میں نہی تحریم کے لئے ہے۔
جمہور: اجازت دینا مستحب ہے۔
یعنی: بغیر اجازت شہتیر نہ رکھے۔
دلیل: "لا يحل مال امرءٍ مسلمٍ إلا بطيب نفسٍ منه".
دوسری دلیل بخاری شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:
"من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خُسِفَ به يومَ القيامة إلى سبع أرضين" کہ "جس نے بھی کسی کی زمین سے کچھ بھی حصہ بغیر حق کے لیا تو قیامت کے دن ایسے شخص کو سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا"۔

باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها

ظلم اور زمین وغیرہ غصب کرنے کی حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک بالشت بھر کسی کی زمین ظلماً دبالے گا تو اللہ رب العزت قیامت کے روز (سزا دینے کے لئے) اسے سات زمینوں کا طوق (گلے میں) پہنائے گا۔

شرح حدیث

الظلم: "وضع الشيء في غير محله".
"ظلم" کہتے ہیں: چیز کو اس کے محل میں نہ رکھنا۔
لاأسئلك بيّنةً بعد هذا!

جب حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وعید کو بیان کیا اور اروی بنت اویس کے دعوی کا انکار کیا تو مروان نے کہا: ''اب اس وعید کے بعد میں آپ سے گواہ طلب نہیں کروں گا''۔

''بینة'': بمعنی گواہ، یا ''بیّنٌ'' کا مؤنث بمعنی دلیل و حجت۔

فائدہ

مروان نے فقط صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سن کر فیصلہ سنا دیا۔ شرعاً قاضی کو اس کا اختیار نہیں۔

باب قدر الطريق إذا اختلفوا فيه

راستوں میں اختلاف کی صورت میں راستہ کی مقدار

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم راستہ میں اختلاف کرو تو اس کا عرض (چوڑائی) سات ہاتھ رکھو۔

زمین کے مابین کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

۱۔ عام زمینوں میں اتنا کشادہ راستہ ہونا چاہیے کہ گزرنے میں دقت نہ ہو۔

۲۔ آبادی میں اتفاق رائے سے اتنا راستہ ہونا چاہیے جتنا آنے جانے کے لئے کافی ہو اور گزرنے میں دقت نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور ارشاد، خیر خواہی اور حسن معاشرت کے ہے۔

كتاب الفرائض

میراث کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

الفرائض: "فریضة" کی جمع ہے، بمعنی: "مفروضة"، اور یہ "فرض" سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: "هي الحصص المقدرة في المتروكات المالية" کہ میراث ترک میں موجود ان حصوں کا نام ہے جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے۔

وارثوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ذوی الفروض، ۲۔عصبہ، ۳۔ذوی الارحام

۱۔ذوی الفروض

وہ وارث جن کا حصۂ میراث قرآن وسنت یا اجماع سے مقرر ہوگیا ہو۔

یہ کل بارہ اشخاص ہیں: باپ، دادا، شوہر، اخیافی بھائی، زوجہ، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، والدہ، دادی، نانی۔

۲۔عصبہ

وہ وارث جو ذوی الفروض سے بچے ہوئے سارے مال کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو کل مال کا مستحق بن جاتا ہے۔

عصبہ بر دو قسم است

۱۔نسبی، ۲۔سببی

نسبی کی تین قسمیں ہیں

۱۔عصبہ بنفسہ، ۲۔عصبہ بغیرہ، ۳۔عصبہ مع غیرہ

عصبہ بنفسہ

وہ مذکر رشتہ دار جن کی میت کی طرف نسبت میں عورت کا واسطہ نہ ہو، کالابن ،

وابن الابن، وإن سفل.

عصبہ بغیرہ

وہ عورتیں جن کا حصہ میراث میں متعین ہے، لیکن یہ عورتیں جب اپنے بھائیوں کے ساتھ آتی ہیں، تو "للذکر مثل حظ الأنثيين" کے طریقہ سے ترکہ میں شریک ہوتی ہیں۔

یہ صرف چار عورتیں ہیں:

۱۔ بنت، ۲۔ بنت الابن، ۳۔ اخت عینی، ۴۔ اخت علاتی

عصبہ مع غیرہ

وہ عورتیں جو دیگر خواتین کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، یہ صرف دو ہیں:

۱۔ اخت عینی، ۲۔ اخت علاتی

جب یہ میت کی بیٹی و پوتی کے ساتھ جمع ہو جائیں۔

عصبہ سببی

اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے میت کو اس کے غلام ہونے کی صورت میں آزاد کیا ہو۔

عصبات نسبی میں سے اگر کوئی نہ ہو تو آخری مرتبہ میں اُس آزاد کرنے والے کو اس کا مال دیا جائے گا اور اگر عصبہ سببی خود موجود نہ ہو تو اس کے عصبات کو دیا جائے گا۔

۳۔ ذوی الارحام

وہ ورثہ جن میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو، جیسے: نانا، ماموں، خالہ، پھوپھی، نواسہ، بھانجا۔

لایرث المسلم الکافر

اختلافِ دین جمہور فقہاء کے ہاں مانع ارث ہے، یعنی: مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، البتہ یہ بات کہ کافر کافر کا وارث بن سکتا ہے کہ نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک وہ اپنے دین کے مطابق ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں۔

مگر بعض صحابہ وتابعین سے یہ مذہب منقول ہے کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے۔

ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "الإسلام یعلو ولایعلیٰ علیہ"۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں صراحت نہیں کہ مسلم کافر کا وارث ہوگا، بلکہ یہ اس پر محمول ہے کہ اسلام کو دوسرے ادیان پر فضیلت ہے اور حدیث باب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو اس بات پر اجماع ہے کہ وہ مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، البتہ اس کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں:

امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ: مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فئی للمسلمین ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مال مسلمانوں کے لیے فئی ہے، البتہ اگر مرتد نے ارتداد اس لئے اختیار کیا ہو، تاکہ ورثہ کو محروم کردے تو پھر ورثہ محروم نہ ہوں گے، بلکہ ان کو وارث بنایا جائے گا۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مرتد کا مال اس کے مسلمان ورثہ کو دیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مال حالت اسلام میں کمایا ہے، اس کے وارث مسلمان ورثہ ہوں گے اور جو مال مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا، وہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

ألحِقُوا الفرائضَ بأهلها ..... إلخ

میراث اس کے حقدار تک پہنچاؤ

ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولي رجلٍ ذكرٍ

یعنی حصہ والوں کو ان کے حصے دے دو، پھر جو بچ جائے تو وہ اس مرد کو ملے گا جو میت سے زیادہ قریب تھا۔

لفظ ''ذکر'' بطور تاکید لایا گیا ہے، یا خنثی سے احتراز کے لئے ہے، یا زمانہ جاہلیت کے اس نظریے کی تردید مقصود ہے جس میں بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے، بلکہ میراث کے مستحق صرف بڑے ہوتے تھے، اس تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ رجل ''صغیر'' کے مقابلے میں نہیں، بلکہ ''انثی'' کے مقابلے میں ہے اور جو حکم بڑے مرد کا ہے، وہی مذکر بچے کا بھی ہے۔

﴿یوصیکم اللہ في أولادكم﴾ [النساء: ۱۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میراث ''یوصیکم اللہ'' کا نزول حضرت جابرؓ کے بارے میں ہوا ہے، جب کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول سعد بن ربیعؓ کی میراث کے بارے میں ہوا ہے۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جب اولاد ہی نہیں تھی، تو آیت کے نزول کو ان کے قصے سے کیا مناسبت؟

جواب: حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصے میں ''یوصیکم اللہ'' کے نزول کو ذکر کرنا راوی کا وہم ہے، بلکہ ان کے قصے میں تو سورۂ نساء کی آخری آیت ﴿یستفتونك في النساء﴾ [النساء: ۱۲۷] کا نزول ہوا ہے، کیونکہ اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ''کلالہ'' (وہ شخص جس کا نہ والد حیات ہو اور نہ اس کی اولاد ہو) تھے۔

جب کہ عام محدثین کا کہنا ہے کہ اس کو راوی کا وہم نہیں کہہ سکتے، بلکہ "یوصیکم اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ اس آیت کا نزول اس جیسے واقعہ میں ہوا ہے جو سعد بن ربیع کی میراث کا پیش آیا تھا۔

لہذا یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ آیت کا اول حصہ سعد بن ربیع کی میراث سے متعلق ہے اور آخر آیت میں جو کلالہ کا بیان ہے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مراد بھی یہی ہے کہ پھر مستقل طور پر کلالہ سے متعلق آیت کلالہ جو آخر سورت میں ہے، نازل کر دی گئی، جس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

﴿قل الله يفتيكم في الكلالة﴾ [النساء: ١٧٦]

کلالہ کے معنی کی مراد میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ پہلا قول جمہور کا ہے اور وہ یہ کہ جس مورث کا کوئی ولد نہ ہو اور نہ ہی والد حیات ہو تو وہ کلالہ ہے، لقوله تعالى: ﴿وإن كان رجل يورث كلالة﴾. [النساء: ١٢]

۲۔ کلالہ ایسی میت (جس کا نہ ولد ہو اور نہ والد حیات) کے ورثہ کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں: "إنما يرثني كلالة".

۳۔ مال موروث کو بھی "کلالۃ" کہتے ہیں۔

اس لفظ کے اشتقاق میں بھی اختلاف ہے۔

۱۔ یہ مصدر ہے جس کے معنی "ذھاب القوۃ" کے ہیں، چونکہ جو قرابت رشتہ ولادت کے علاوہ ہو، وہ نسبتاً ضعیف ہوتی ہے، اس لئے اسے "کلالۃ" کہتے ہیں۔

۲۔ "كلَّ يكِل" سے مشتق ہے، جس کے معنی بعید ہونے کے ہیں۔ غیر ولادت کی قرابت چونکہ نسبتاً بعید ہے، اس لیے اسے "کلالۃ" کہتے ہیں۔

۳۔یہ "تکلّل" سے نکلا ہے، جس کے معنی احاطہ کرنے کے آتے ہیں، ایسے شخص کی میراث کا احاطہ چونکہ غیر الولد والوالد کرتے ہیں، اس لئے ایسے مورث یا وارثوں کو "کلالۃ" کہتے ہیں۔

أغمي عليه

مسلسل کام سے جو اعصابی کمزوری یا تھکاوٹ ہو، اس کو "غشی" کہتے ہیں۔
اغماء، جنون اور نوم ان تینوں کا ورود عقل پر ہوتا ہے۔
نوم میں عقل مستور، اغماء میں مغلوب، اور جنون میں مسلوب ہوتی ہے۔

باب آخر آية أنزلت آية الكلالة

آخری نازل ہونی والی آیت آیت کلالہ ہے

آخری آیت کون سی نازل ہوئی ہے؟ اس بارے میں تقریبا سات اقوال ہیں:

۱۔امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک: "آخر آية نزلتْ آية الربا".

ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے نزدیک: ﴿واتَّقُوا يوماً تُرجعون فيه إلى الله﴾ [البقرة: ٢٨١].

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک: ﴿لقد جاء كم رسولٌ من أنفسكم﴾ [التوبة: ١٢٨].

معاویہ بن ابی سفیان کے نزدیک: ﴿فمن كان يرجو لقاء ربه﴾ [الكهف: ١١٠].

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک: ﴿فاستجاب لهم ربهم﴾ [آل عمران: ١٩٥].

مشہور قول: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي﴾ [المائدة: ٣]

الحاصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان فرمایا۔

آخری سورت

سورۃ التوبۃ مکمل نازل ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما: سورۃ النصر آخری سورت ہے، جو مکمل نازل ہوئی۔

سورۃ التوبۃ کو آخری سورۃ کہنا محل نظر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ لوگوں کو یہ سورت سنانے کے لئے بھیجا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع فرمایا۔

كتاب الهبات

تحفہ وہدیہ دینے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک عمدہ گھوڑا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دیا اور جسے دیا تھا اس نے اسے تباہ کر دیا۔ میں سمجھا اب یہ کم قیمت میں اسے فروخت کر ڈالے گا۔ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو مت خریدو اور اپنے صدقہ میں رجوع نہ کرو، اس لئے کہ صدقہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹتا ہے۔

تحريم الرجوع في الصدقة

صدقہ میں رجوع کرنا جائز نہیں، چاہے مطلقاً ہو یا بیع کے ذریعے، البتہ بعض حضرات سے اس میں رجوع کے جواز کا قول ملتا ہے، مگر صحیح بات جمہور کی ہے۔

شراء الهبة

جمہور حضرات کے ہاں کسی چیز کو ہبہ یا عطیہ کرنے کے بعد اس کو خریدنا مکروہ ہے۔

وجوہ کراہت

۱۔اس سے ندامت ہوتی ہے۔

۲۔موہوب لہ مروّت میں آخر ثمن کم کرے گا جو اس کے مرضی کے خلاف ہے۔

۳۔واہب بھی مطعون ہوگا۔

البتہ اہل ظواہر کے ہاں چونکہ حرمت کا حکم اس شئ کی ذات سے متعلق ہے، لہذا ان کے نزدیک خریدنا جائز ہی نہیں۔

رجوع في الهبة

احناف وصاحبین کے ہاں جائز اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں ناجائز ہے۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

١ـ هدية الأجانب للأجانب: احناف وحنابلہ کے ہاں رجوع جائز ہے، جب کہ موالک وشوافع اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

٢ـ هدية الأقارب لغير المحارم: اس کا حکم بھی ماقبل والا ہے۔

٣ـ هدية الأقارب للمحارم: اس کے حکم میں اتفاق ہے کہ رجوع جائز نہیں، البتہ والد اپنی اولاد سے رجوع کرسکتا ہے۔

احناف کی دلیل بیہقی اور ابن ماجہ میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "الواهبُ أحقُّ بهبته ما لم يُثَبْ" کہ واہب اپنے ہدیہ میں رجوع کرسکتا ہے، جب تک کہ اسے اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔

نیز مستدرک حاکم، دارقطنی اور بیہقی میں بھی روایات موجود ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ واہب رجوع کرسکتا ہے۔

- ائمہ ثلاثہ کا مستدل احادیث الباب ہیں۔

دوسری دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "لا یحل لرجل أن یعطی عطیةً أو یَهَبَ هبةً، ثم یرجعُ فیها إلا الوالدَ فیما یعطي ولده، ومثل الذي یرجع في عطیته أو هبته کالکلب یأکل، فإذا شبع قاء، ثم عاد في قیئه" کہ "کسی آدمی کے لئے یہ حلال نہیں کہ کوئی ہدیہ وتحفہ دینے کے بعد اس میں رجوع کرے، البتہ اگر والد بیٹے کو کوئی تحفہ دیتا ہے اور پھر رجوع کرتا ہے تو کر سکتا ہے۔ اپنے ہدیہ میں رجوع کرنے والے کی مثال اس کتے کی سی ہے جو خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد قے کرلے اور پھر اپنے قے کو چاٹے"۔

(سنن أبي داود، جامع الترمذي، سنن ابن ماجه، سنن النسائي)

ان حضرات کا اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں کتے کے فعل کے قبیح ہونے کو بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اسے حلت وحرمت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ مطلق نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں "لا یحل" کا لفظ ہے، تو جس طرح یہ لفظ حرمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح "لا ینبغي" اور "لا یناسب" کے معنی میں بھی آتا ہے۔

باب العمری

عمریٰ کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جو چیز کسی کے لئے اور اس کے وارثوں کے لئے عمریٰ

(یعنی اسے اور اس کے وارثوں کو زندگی بھر کے لئے دے دے) کر دے، تو وہ اسی کا ہو جائے گا جسے عمرہ دیا گیا ہے اور دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گا، کیونکہ اس نے اس طریقہ پر دیا کہ جس میں میراث جاری ہوگئی۔

"العمری": لغوی معنی: لمبی عمر پانا، مالدار ہونا، از کرم ونصر، اور از افعال وتفعیل: عمر بھر کے لئے کسی کو کوئی چیز دینا۔

جمہور فرماتے ہیں: "عمریٰ" میں معمرلہ کو اصل پر بطور ہبہ ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رقبہ پر نہیں، بلکہ منافع پر ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

عمریٰ کی تین قسمیں ہیں

۱۔ "أعمرتك هذه الدار" یعنی مطلق ذکر کرے، یہ بیان نہ کرے کہ موت کے بعد واپس میرے پاس آجائے گا یہ گھر یا تمہارے ورثاء کو ملے گا۔

۲۔ "أعمرتك هذه الدار ما عشتَ، وإذا متَّ فلورثتك" یعنی عمریٰ کرتے ہوئے یہ تصریح کر دے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ورثاء کو ملے گا۔

۳۔ "أعمرتك هذه الدار ما عشتَ، وإذا متَّ فعاد إليَّ" یعنی واپسی کی تصریح کرے۔

جمہور، یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ایک قول میں امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک تینوں کا ایک ہی حکم ہے کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد مکان معمرلہ کے ورثاء کو ملے گا، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں تملیک منافع ہے، تملیک عین نہیں، لہذا معمرلہ کے مرنے کے بعد گھر واپس معمر کو مل جائے گا۔

جمہور کے دلائل

۱۔ پہلی دلیل باب کی چھٹی حدیث ہے، جو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "العمریٰ لمن وُهِبَتْ له" کہ عمریٰ اسی کی ملک ہو جاتا ہے جس کے لئے ہدیہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسری دلیل باب کی نویں حدیث ہے، یہ بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أمسكوا عليكم أموالكم ولا تفسدوها؛ فإنه من أعمر عمرىٰ فهي للذي أعمرها حيا وميتا، ولعقبه" کہ اپنے مالوں کو روک کے رکھو اور یوں انہیں ضائع مت کرو، کیونکہ تم میں سے عمریٰ کیا، تو وہ جگہ اسی کی ہو جائے گی جس کے لئے عمریٰ کیا ہے، خواہ وہ زندہ رہے، یا مر جائے اور اس کے بعد اس کے ورثاء کو ملے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ کے دلائل

امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال باب کی چوتھی حدیث سے ہے، یہ حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حدیث ہے: "إنما العمرى التي أجاز رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقول: "هي لك ولعقبِكَ". "فأما إذا قال: هي لك ما عشتَ، فإنها ترجع إلىٰ صاحبها" کہ اگر عمریٰ کرنے والے نے یہ شرط لگائی کہ جب تک تم حیات ہو یہ گھر تمہارا ہے، تو ایسی صورت میں یہ گھر واپس عمریٰ کرنے والے کو ملے گا۔

جواب: "إنها ترجع إلىٰ صاحبها" یہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، نہ کہ حدیث مرفوع، کیونکہ باب کی پہلی حدیث میں "لا ترجع إلىٰ الذي أعطاها" ہے۔

كتاب الوصية

وصیت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کی وہ وصیت کرنا چاہے اور وہ دو راتیں گزار دے، مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے''۔

شرح حدیث

الوصية: "هو عقد تبرع مضاف إلى ما بعد الموت، سواء كان تمليك العين أو الدين أو المنافع".

یعنی: وصیت ایک ایسا عقد تبرع ہے جو ما بعد الموت کی طرف مضاف اور منسوب ہوتا ہے، خواہ اس میں کسی شخص کو عین چیز کا مالک بنانے، یا دین کا مالک بنانے، یا کسی چیز کے منافع کا مالک بنانے کی وصیت ہو۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے مال سے متعلق کسی کو یہ کہہ دے کہ میرے مال سے مسجد، یا مدرسہ، یا ہسپتال، یا مسافر خانہ بنادو، یا لوگوں کے لئے کنواں کھودو وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ وصیت کیا کرتے تھے، لیکن وہ کسی ضابطے کے پابند نہیں تھے، جس کے سبب وہ اپنے ورثاء پر ظلم کرنے کے بھی مرتکب ہو جاتے تھے۔ اسلام نے چند شرائط لگا کر وصیت کی شرعی حیثیت کو متعین کیا اور پھر اس کا حکم دیا۔

حکم وصیت

جمہور کے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ بلا سبب، یعنی: اس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو، تو مستحب ہے۔

۲۔ بالسبب، پھر اس کی دوصورتیں ہیں:

۱۔ حقوق العباد: اس میں کسی کو وصی بنانا، یا وصیت لکھنا لازم ہے۔

۲۔ حقوق اللہ، اس کی بھی دوصورتیں ہیں:

۱۔ فرائض وغیرہ چھوٹ گئے ہوں تو وصیت لازم ہے۔

۲۔ موت کے بعد ورثاء وغیرہ کی طرف سے منکرات کے ارتکاب کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بھی منکرات سے باز رہنے کی وصیت کرنا لازم ہے۔

وصیت کی دوصورتیں ہیں

۱۔ جوانی میں کرے، جب کہ قوی صحیح ہوں، تو کوئی تفصیل نہیں۔

۲۔ حالت مرض میں وصیت کی ہو، تو دوصورتیں ہوں گی:

۱۔ ثلث مال کی کرے تو بہر حال نافذ ہوگی۔

۲۔ کل مال کی وصیت کی، تو اگر ورثاء موجود نہ ہوں، تو مال بیت المال میں جمع کردیا جائے گا، اور اگر بیت المال بھی نہ ہو تو اوقاف کو دیا جائے گا۔

اور اگر ورثاء موجود ہوں اور تمام ورثاء بالغ ہوں اور خوشی سے وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں، تو وصیت پوری کی جائے گی، اور اگر نابالغ ہوں یا کوئی راضی نہ ہو، تو ثلث میں وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔

فائدہ

اگر ورثاء غنی ہوں، تو ثلث کی وصیت کرے اور اگر فقیر ہوں، تو ربع کی وصیت کرے۔

لاهجرة بعد الفتح

فتح مکہ سے قبل ہجرت ضروری تھی اور واپسی ناجائز اور بعد الفتح واپسی جائز تھی، لیکن اجر میں کمی کا باعث تھی اور یہ حکم مکہ مکرمہ سے متعلق ہے۔

ایسی جگہ سے ہجرت آج بھی ضروری ہے جہاں دین پر عمل نہ کیا جا سکے۔

لكن البائس سعد بن خولة

حضرت سعد بن خولہ کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل کئے ہیں:

۱۔عیسیٰ بن دینار کے نزدیک اپنے اختیار سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے، مدینہ نہیں گئے۔

۲۔ ۷ھ میں بالقصد مکہ آ گئے تھے۔(یہ دونوں قول مرجوح ہیں)۔

۳۔ باقاعدہ ہجرت کی، بدر میں شریک ہوئے، پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔(امام بخاریؒ)۔

۴۔ ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کی، حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی، بدر اور دوسرے معرکوں میں بھی شریک رہے اور انتقال حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں ہوا۔

اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔واپسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقع پر انتقال ہوا۔

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور مکہ میں انتقال ہوا، یہی قول محققین کا ہے۔

اور ''ترحم'' کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تمنا تھی کہ وہ مدینہ واپس جائیں، تو تمنا پوری نہ ہونے کی وجہ سے ''ترحم'' فرمایا تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کی ہجرت کو مکہ مکرمہ واپسی کی وجہ سے نقصان پہنچا۔

باب وصول ثواب الصدقات إلىٰ الميت

میت کو صدقات کا ثواب پہنچنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا اور وہ مال چھوڑ گئے ہیں اور انہوں نے وصیت نہیں کی تو کیا ان کے گناہوں کا کفارہ ہوسکتا ہے اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

ایصال ثواب کا مسئلہ

عبادات دو قسم پر ہیں، ایک قسم عبادات مالیہ ہے، جیسے زکوۃ، حج اور عمرہ ہے۔ دوسری قسم عبادات بدنیہ ہے، جیسے صوم وصلاۃ ہے۔ عبادات مالیہ میں تو اتفاق ہے کہ اس میں میت کی طرف سے نیابت جائز ہے اور ورثہ کے ادا کرنے سے میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے، البتہ اس میں احناف کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ میت نے مال چھوڑا ہے یا نہیں، اگر مال نہیں چھوڑا تو اس کے ورثاء پر لازم نہیں ہے کہ میت کی طرف سے حج کریں، یا زکوۃ ادا کریں، ہاں اگر کوئی وارث تبرعا ایسا کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو بھی پہنچتا ہے، اور اگر میت نے مال چھوڑا ہے، تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس نے ان عبادات کی ادائیگی کی وصیت کی ہے یا نہیں۔ اگر وصیت نہیں کی تو اس صورت میں بھی ورثاء پر لازم نہیں ہے کہ وہ میت کی طرف سے ان عبادات کو ادا کریں، الا یہ کوئی تبرعا ادا کردے تو ثواب میت کو بھی پہنچے گا۔ اگر میت نے وصیت کی ہے اور اس کے ثلث مال میں یہ عبادات ادا بھی ہوسکتی ہیں تو پھر ورثاء پر اس وصیت کو پورا کرنا لازم ہے، تاہم ایک ثلث سے تجاوز نہیں کریں گے، مگر یہ کہ اگر تمام ورثاء ثلث سے زیادہ صرف کرنے پر راضی ہوں تو یہ ورثاء کی طرف سے تبرع ہوگا اور اس کا

ثواب دونوں کو ملے گا۔

رہی بات عبادات بدنیہ کی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا ایصال ثواب تو جائز ہے، مگر اس میں نیابتِ جائز نہیں، یعنی میت کی طرف سے نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا جائز نہیں، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک میت کی طرف سے نماز پڑھنے اور روزے رکھنے میں بھی نیابت جائز ہے۔ شوافع کی طرف بھی منسوب ہے کہ وہ تلاوت قرآن کریم کے ایصال ثواب کے قائل نہیں، لیکن علامہ نوویؒ نے اس کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ شوافع کے ہاں ہر قسم کی عبادات میں ایصال ثواب جائز ہے۔

اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ایصال ثواب میں اختلاف ہے۔ معتزلہ مطلقاً ایصال ثواب کو نہیں مانتے، خواہ عبادت مالیہ میں ہو یا عبادت بدنیہ میں ہو۔ اہل سنت ایصال ثواب کے قائل ہیں۔

معتزلہ نے قرآن کریم کی آیت: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ سے استدلال نہیں کیا، یعنی انسان کو صرف اپنا عمل پہنچتا ہے، دوسروں کا نہیں۔

اہل سنت قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص سے استدلال کرتے تھے:

۱۔ ﴿ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ [الحشر: ۱۰]
۲۔ ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين﴾ [محمد: ۱۹] ۳۔ صحیح مسلم کی روایت ہے: "إن من البر بعد البر أن تصلي لأبويك مع صلاتك، وأن تصوم لهما مع صومك". ٤۔ صحیحین کی روایت ہے: "أنه صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أحدهما من نفسه والآخر عن أمته". ٥۔ زیر بحث حدیث اور اس کے ساتھ اس باب کی دیگر احادیث بھی اس پر دال ہیں۔

نیز احادیث الباب معتزلہ کی پیش کردہ آیت کے لئے مخصص ہیں کہ احادیث

نے ایصالِ ثواب کی تخصیص کردی۔

فائدہ

جس طرح مردوں کو ایصالِ ثواب ہوتا ہے، اسی طرح زندوں کو بھی کیا جاسکتا ہے۔

باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته

ثواب کے بیان میں جو میت کو مرنے کے بعد پہنچتا ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے، تو اس کے تمام اعمال موقوف ہوجاتے ہیں، مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے، صدقہ جاریہ کا، یا اس علم کا جس سے لوگ نفع حاصل کریں، یا نیک لڑکے کا جو اس کے لئے دعا کرے۔

فائدہ: میت کو ان تین اعمال کا ثواب اس لئے ملتا ہے کہ وہ دنیا میں ان کا سبب بنا۔

باب الوقف

وقف کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ کرنے آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے اور ایسا عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ اس میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اصل زمین کو روک لے اور اس کے (منافع کو) صدقہ کردے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر صدقہ کردیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ خریدی جائے اور نہ

وہ کسی کی میراث میں آئے اور نہ اسے ہبہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا صدقہ کر دیا، فقیروں اور رشتہ داروں اور غلاموں کے آزاد کرانے اور مسافروں اور مہمانوں اور ناتواں آدمیوں کے لئے دیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جو اس کا انتظام کرے، تو وہ اس سے دستور کے مطابق کھائے، یا دوست کو کھلائے، لیکن مال جمع نہ کرے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ اسی طرح میں نے یہ حدیث محمد بن سیرین کے سامنے بیان کی، جب میں ''غیر متمول'' پر پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ''غیر متماثل''۔ اور ابن عونؒ بیان کرتے ہیں کہ جس نے اس دستاویز کو پڑھا، اس نے مجھے بتایا کہ اس میں ''غیر متماثل'' کا لفظ ہے، البتہ معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

الوقف لغةً: الحبس. واصطلاحا: حبس العين علىٰ حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة.

وقف کا لغوی معنی ہے: روکنا، اور شریعت کی اصطلاح میں وقف ''کسی چیز کو واقف کی ملکیت کے حکم میں رکھنا اور اس کے منافع کا صدقہ کرنا'' کو کہتے ہیں۔

جمہورؒ کے نزدیک بشمول صاحبین شئ موقوف "محبوس علىٰ ملك الله" ہوتی ہے اور اس سے واقف کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ صاحبینؒ کے ہاں تعریف یوں ہے:

"حبس العين علىٰ ملك الله وصرف منفعته إلىٰ العباد".

ان کا مستدل حدیثِ باب ہے۔ اس حدیث مبارک سے جمہور فقہاء نے وقف کی مشروعیت وجواز اور ہمیشہ کے لئے اس کے لازم ہونے پر استدلال کیا ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقف پر چار احکام جاری ہوتے ہیں:

۱۔ عدم بیع، ۲۔ عدم ارث، ۳۔ عدم ہبہ، ۴۔ عدم استرداد

امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ ان کے نزدیک ''وقف'' محبوس علیٰ

ملک الواقف ہوتا ہے، یعنی: اس میں تابید نہیں ہوتی اور واقف کو استرداد (رجوع) کا حق حاصل ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً اس قول کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ امام صاحبؒ علیٰ الاطلاق واقف کو رجوع کا حق نہیں دیتے، بلکہ ان کے ہاں تفصیل یہ ہے کہ واقف کے وقف کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ واقف اصل چیز کو وقف کرتا ہے، مثلاً، واقف نے اپنی زمین میں مسجد بنادی، یا اسے قبرستان بنادیا، یا اسے مسافروں کی رہائش گاہ بنادیا تو یہ وقف ''مؤبد'' ہوگا۔

۲۔ واقف اصل چیز کو بھی وقف نہیں کرتا، البتہ اس کے منافع کو فقراء و مساکین وغیرہ کے لئے وقف کرتا ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک دو شقیں ایسی ہیں جن میں وقف مؤبد ہوتا ہے، صرف ایک صورت میں وقف مؤبد نہیں ہوتا اور واقف کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ پہلی دو شقیں یہ ہیں:

۱۔ منافع کو وقف کیا اور مابعد الموت کی طرف اس کی اضافت کی، مثلاً یوں کہا: "هو وقف في حياتي، صدقة بعد موتي" کہ میری یہ زمین میری زندگی میں وقف اور میری موت کے بعد صدقہ ہے۔ یا یوں کہا: "إذا مت فقد جعلت داري أو أرضي وقفا على كذا" کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ گھر یا میری یہ زمین فلاں کے لئے وقف ہے، تو اس صورت میں بھی وقف مؤبد ہوگا۔

۲۔ وقفِ منافع تو مطلق تھا اور اس کی مابعد الموت کی طرف اضافت بھی نہیں کی، مگر حاکم کا حکم اس کے لزوم سے متعلق آگیا تو ایسی صورت میں بھی وقف مؤبد ہوگا۔

تیسری شق جس میں واقف کو رجوع کا حق ہے، یہ ہے:

۳۔ واقف نے منافع کو وقف کیا اور نہ تو ان کی اضافت مابعد الموت کی طرف کی

اور قاضی کا لزوم کا حکم آیا، تو ایسی صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک وقف مؤبد نہیں ہوگا اور واقف چاہے تو رجوع بھی کرسکتا ہے، چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی۔

بقیہ ائمہ کے نزدیک اس آخری صورت میں وقف مؤبد ہوگا، البتہ مفتی بہ قول صاحبینؒ کا ہے۔

باب ترك الوصية

وصیت ترک کرنے کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: طلحہ بن مصرف بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن ابی اوفی سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: پھر مسلمانوں پر کیوں وصیت فرض کی گئی ہے؟ یا مسلمانوں کو کیوں وصیت کا حکم دیا گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے ترکہ میں نہ درہم ودینار چھوڑے، نہ بکری واونٹ چھوڑے، اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

واضح رہے کہ ان احادیث میں کسی چیز کی وصیت نہ کرنے سے مراد مال ودولت اور خلافت کی وصیت نہ کرنا ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے متعدد نصائح کی وصیت ثابت ہے۔

شرح حدیث

احادیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مال بطور ترکہ نہیں چھوڑا۔ بعض لوگ شیخین پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا، فدک کی زمین میں سے ان کو حق نہ دیا، حالانکہ حقیقت حال ان احادیث سے اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بالکل واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مال نہیں چھوڑا۔ فدک کی زمین بھی آخری عمر میں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی تھی، اگر تقسیم نہ بھی کی گئی ہوتی، تب بھی اسے ترکہ بنا نہیں سکتے تھے، اس لئے خود صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ما تركناه فهو صدقة" کہ ہم (انبیا علیہم السلام) جو کچھ ترکہ چھوڑتے ہیں وہ میراث نہیں، بلکہ صدقہ ہے۔

واقعہ قرطاس اور شیعوں کے اعتراضات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ امت گمراہی سے بچ جائے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امت کو اس حق سے محروم کر دیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین نے منع کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حق تلفی کی۔

جواب یہ ہے کہ اس وقت اگر فاروق اعظم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قلم دوات حاضر نہ کرنا معصیت ہے تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک ہیں، کیونکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر حضرات نے قلم دوات حاضر نہیں کیا تو حضرت علی

رضی اللہ عنہ حاضر کردیتے۔

فما هو جوابكم عنه فهو جوابنا عمر

مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا۔

جواب اگر حضرت عمر نے منع کیا تو ٹھیک ہی کیا ہوگا، کیونکہ عام طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے مزاج شریعت کے موافق ہوا کرتی تھی۔

چند مفید باتیں

شیعہ کے کفر پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے۔ علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صحابہ کی تنقیص کرتا تھا، امام مالکؒ نے یہ آیت ﴿لیغیظ بهم الكفار﴾ پڑی اور فرمایا: ''جس شخص کے دل میں صحابہ کرام کے خلاف بغض ہو وہ کافر ہے''۔ اس آیت سے رافضیوں کی تکفیر معلوم ہوتی ہے۔

روح المعاني: ٢٦/ ١٢٨

ذیل میں ذکر کردہ عبارات سے بھی شیعوں کا کفر واضح ہوتا ہے:

مرقات شرح مشکاۃ میں ہے: ''..... فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع من غير نزاع''.

(۹/ ۱۳۷، مظاہر حق: ۴/ ۸۴، عالمگیری: ۲/ ۲۶۸، ردالمحتار: ۱/ ۶۲، الملل والنحل: ۲/ ۸۷، شرح فقہ اکبر، ص: ۱۹۸)

نیز جو شیعہ کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے، اور جو شخص شیعہ کے کفر میں جاننے کے باوجود تامل کرے وہ بھی کافر ہے۔ (عالمگیری: ۲/ ۲۶۸، ردالمحتار: ۱/ ۹۲)

کتاب النذر

مسائل نذر کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ میری والدہ پر نذر تھی اور وہ اس کو پورا کرنے سے پہلے ہی انتقال کر گئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کی جانب سے پوری کر دے۔

نذر کی تعریف

''غیر واجب چیز کو اپنے ذمہ لازم کرنا''۔

شرائط نذر

نذر اطاعت کی ہو، عبادت مقصودہ ہو، اس کی جنس میں سے کوئی فرض یا واجب ہو، بذات خود واجب نہ ہو، لفظ ''نذر'' کا تلفظ کرے۔

نذر کی ابتداء دو صورتیں ہیں

۱۔ مطلق: جس میں کسی قسم کی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو، جیسا کہ کوئی یوں کہے: "للّٰه علي صوم يوم" کہ اللہ کے لئے مجھ پر ایک دن کا روزہ لازم ہے۔

۲۔ معلق: جس میں کوئی شرط مذکور ہو، جیسا کہ کوئی یوں کہے: "إن شفى الله مريضي فأتصدق مائة درهم" کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا بخشی تو میں سو درہم صدقہ کروں گا۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

نذر طاعت

اس کا ایفاء ضروری ہے، اگر ایفاء نہ کر سکا تو عندالاحناف اگر وصیت کرے تو ورثہ پر لازم ہے اور اگر وصیت نہیں کی، تو اس صورت میں ورثہ کے ذمہ لازم نہیں، البتہ ورثہ جو کچھ کریں گے، تبرع اور احسان شمار ہوگا۔

جب کہ شوافع کے نزدیک حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بغیر وصیت کے بھی پورا کیا جائے گا اور اگر نذر میں ایفاء سے عاجز آجائے تو کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

نذر معصیت

اس کا ایفاء حرام ہے اور کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

لا تنذروا

بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نذر سے تقدیر بدل جاتی ہے، تو اس اعتقاد فاسد کے رد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تنذروا" فرمایا کہ نذر اور منتیں نہ مانا کرو۔

لا وفاء لنذر في معصية

معصیت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معصیت لعینہ، ۲۔ معصیت لغیرہ

معصیت لعینہ کی نذر احناف کے نزدیک منعقد نہیں ہوتی، مثلاً: قتل، شرب خمر، وغیرہ کی نذر اور معصیت لغیر ہا کی نذر منعقد تو ہو جاتی ہے، لیکن اس کا ایفاء، یعنی اس کو پورا کرنا جائز نہیں، لہذا کفارۂ یمین لازم ہے۔ احناف احادیث الباب کو اسی صورت پر محمول کرتے ہیں۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی، خواہ اس میں معصیت لعینہ ہو یا لغیرہ، اور کفارہ بھی لازم نہیں آتا۔

ان کا مستدل بھی احادیث الباب ہیں، کیونکہ ان میں کفارہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک نذر معصیت (دونوں صورتوں میں) منعقد ہوگی اور کفارہ لازم ہوگا، کیونکہ ایسی نذر کو پورا نہ کرنا لازم ہوتا ہے، لہذا کفارۂ یمین ادا کرنا لازم ہوگا۔

۱۔ "من نذر في معصية الله فكفارته كفارة يمين".

(جامع الترمذي، سنن النسائي)

۲۔ "من نذر نذرا في معصية فكفارته كفارة يمين" (سنن أبي داود)

باب من نذر أن يمشي إلىٰ كعبة الله

اس شخص کے بیان میں جس نے بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانی

ترجمۂ حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ٹیک لگائے جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو عذاب دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔

شرح حدیث

یہاں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانے، اس پر اپنی نذر کا پورا کرنا لازم ہے، لہذا اب وہ حج یا عمرہ کے لئے بیت اللہ کا پیدل سفر کرے گا اور اگر وہ پیدل چلنے سے عاجز ہے تو اس کے لئے سوار ہونا جائز ہے۔ اتنی بات پر تو سب کا اتفاق ہے، لیکن پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ "رکوب" کی وجہ سے اس پر کیا واجب ہوگا؟

۱۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر دم واجب ہوگا جو کہ کم از کم بکری ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مشہور مذہب ہے۔ ان کا استدلال مستدرک حاکم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، جس میں آپ نے پیدل حج کی نذر کو "مثلہ" قرار دیا اور آخر میں فرمایا: "فمن نذر أن يحج ماشيا فليهد هديا وليركب" کہ جس نے پیدل حج کی نذر مانی، اسے چاہیے کہ جانور دے اور سوار ہو جائے۔ یہ حدیث اس دعوی پر دلیل ہے کہ رکوب کی جزاء ہدی ہے اور وہ واجب بھی ہے، خواہ ناذر عذر سے سوار ہو یا بغیر عذر سے۔

اسی طرح سنن ابو داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی، تو انہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو جانے اور جانور دینے کا حکم فرمایا، "فأمرها رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تركب وتهدي هديا".

۲۔ حنابلہ کے نزدیک اس پر کفارۂ یمین واجب ہے۔ ان کا استدلال بھی سنن ابو داؤد میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ میری بہن نے ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ میں نے جب اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مروها فلتختمر ولتركب ولتصم ثلاثة أيام" کہ اس سے کہو کہ دوپٹہ اوڑھے، سوار ہو اور تین دن کے روزے رکھے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ نے "اعلاء السنن" میں اس کا جواب دیا

ہے کہ اس حدیث میں کفارہ یا روزوں کا جو حکم دیا تو وہ دوپٹہ اوڑھنے کی بناء پر تھا، کیونکہ انہوں نے ترکِ اختمار (دوپٹہ نہ اوڑھنے کی) نذر مانی تھی جو کہ معصیت ہے اور نذر معصیت کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا ہے، لیکن اس جواب کو کمزور قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ترک اختمار معصیت لعینہ ہے اور معصیت لعینہ کی نذر باطل ہوتی ہے اور اس میں ناذر پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نذر اور یمین دونوں کو جمع کر لیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کی وجہ سے ہدی کا اور یمین کی وجہ سے کفارہ کا حکم دیا۔

یہاں ایک اور احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف دم ہی کا حکم دیا تھا، لیکن راوی نے اس پر لفظِ کفارہ کا اطلاق کر دیا، جیسا کہ اس نے نذر پر یمین کا اطلاق کر دیا، کیونکہ جرم اور جنایت کے بعد دم بھی وہی کام کرتا ہے جو کفارہ کرتا ہے، پھر بعض نے اس دم کو کفارۂ یمین خیال کر لیا اور اسے تین روزوں کے ساتھ تعبیر کر دیا۔

واللہ سبحانہ اعلم

۳۔ تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور اس میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر مسافتِ بعیدہ سے پیدل چلنے کی نذر مانی گئی، مثلاً افریقہ سے حجاز تک تو رکوب کی وجہ سے دم لازم ہوگا اور اگر مسافت قلیلہ ہو تو پھر اگر رکوب کم ہو اور پیدل چلنا زیادہ ہو تو بھی دم لازم ہوگا اور اگر رکوب زیادہ ہو تو اگلے سال دوبارہ اس حصہ میں چل کر سفر کرنا واجب ہوگا جہاں سے وہ سوار ہوا تھا اور دم بھی لازم ہوگا۔ ان کی دلیل مصنف عبدالرزاق اور بیہقی میں روایت ہے کہ ایک آدمی نے مکہ تک پیدل جانے کی نذر مانی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: "يمشي فإذا أعيىٰ ركب، فإن كان عاما قابلا مشى بلا ركب وركب ما مشى وينحر بدنة".

جمہور نے جواب دیا کہ یہ روایت موقوف ہے، لہٰذا مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۴۔ چوتھا قول حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بہرصورت اس پر اگلے سال دوبارہ سفر مکہ واجب ہے، پھر جتنے حصہ میں چلا تھا، اس میں سوار ہوگا اور جس میں سوار ہوا تھا اس میں پیدل چلے گا۔

یہاں ایک بات یہ بھی جان لیجیے کہ حنفیہ کے اصول کے مطابق پیدل چلنے کی نذر قیاس کے مخالف ہے، کیونکہ احناف ایسی چیز کی نذر کو جائز قرار دیتے ہیں جس کی جنس میں سے کوئی عبادت مقصودہ ہو، جب کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں پیدل چلنا نہ تو بذات خود عبادت ہے اور نہ اس کی جنس سے کوئی عبادت مقصودہ ہے، لہذا اس کی نذر صحیح نہیں ہونی چاہیے، لیکن احادیث الباب کی وجہ سے وہ اس نذر کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: اس حدیث کے ذیل میں دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر تو بیت اللہ یا کعبہ یا مکہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانی تو بالاجماع صحیح ہے، لیکن اگر مسجد حرام یا حرم کی طرف چلنے کی نذر مانی تو اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی نذر صحیح نہیں اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس پر حج یا عمرہ لازم ہو جائے گا، کیونکہ حرم، بیت اللہ اور مکہ کو خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔

امام ابن الہمامؒ نے ''فتح القدیر'' میں بہت عمدہ بات کہی ہے، وہ یہ کہ اس میں اختلاف کا مدار عرف پر ہے، لہذا جہاں حرم یا مسجد حرام کی طرف چلنے سے حج یا عمرہ مراد لیا جاتا ہو وہاں ان الفاظ سے نذر صحیح ہو جائے گی اور اسی پر جمہور کا قول محمول ہوگا اور جہاں یہ عرف نہ ہو وہاں نذر صحیح نہیں ہوگی اور یہ محمول ہوگا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر۔

۴۱۳۰۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا کفارہ ہے''۔ (ص:۴۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس نے نذر مانی، لیکن منذور کو ذکر نہ کیا، مثلاً اس نے یوں کہا: "للّٰہ علي نذر" تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

یہاں یہ بھی جان لیں کہ نذر میں کفارہ واجب ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ ناذر یوں کہے: "للّٰہ علي نذر" تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

۲۔ وہ کسی چیز کی نذر مانے، لیکن اسے پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو اس پر کفارہ آئے گا، البتہ بعض مخصوص صورتوں میں اس پر دم لازم آئے گا، مثلاً بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر یا اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر۔

۳۔ نذر کو کسی چیز سے معلق کردے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ تاکہ اس کام سے بچ سکوں، مثلاً یوں کہے "إن کلمت زیدا فللّٰہ علي حجة" شافعیہ کی اصطلاح میں اسے ''نذرِ لجاج'' کہا جاتا ہے اور یہ ان کے نزدیک یمین کے معنی میں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو نذر پوری کرے، اگر اس میں حانث ہوگیا تو کفارہ لازم ہوگا۔ احناف کے نزدیک یہی قول مفتی بہ ہے۔

۴۔ اگر ناذر نے معصیت کی نذر مانی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف پہلے بیان ہوچکا ہے۔

كتاب الأيمان

قسموں کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت تمہیں تمہارے آباء کی قسمیں کھانے سے منع کرتا ہے۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ بخدا میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

اس کی ممانعت سنی تو میں نے آباء کی نہ اپنی طرف نہ کسی کی طرف سے قسمیں کھائیں۔

شرح حدیث

ایمان "یمین" کی جمع ہے، بمعنی طاقت، اور اصطلاحاً یمین کہتے ہیں: "تـوكيـد الشيء بذكر اسم أو صفة الله"، کسی معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ قسم کھا کر پکا کرنا۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے وجود کو واجب کرنا مقصود ہو تو اللہ کے ذکر کے ساتھ محقق کرنے کو "یمین" کہتے ہیں۔

اقسام الیمین

یمین کی تین قسمیں ہیں۔ ا، غموس۔ ۲، منعقدہ۔ ۳، لغو

ا۔ غموس ماضی میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر جھوٹی قسم کھانا۔

امام اعظم و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے، بلکہ توبہ و استغفار ہے۔

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: "كنـا نعد اليمين الغموس من الكبائر التي لا كفارة فيها" کیونکہ اس میں ان حضرات نے "كـنـا" فرما کر تمام صحابہؓ کی طرف اشارہ کر دیا جو حکایت ہے اجماع صحابہ کی، اور اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں۔

عند الشافعی کفارہ واجب ہے۔

ان کی دلیل آیت ﴿ولـكـن يـواخـذكـم بما كسبت قلوبكم﴾ [البقرة: ۲۲۵] ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر تم سے مواخذہ کرے گا جس کا تمہارے دلوں نے کسب کیا، وہ مواخذہ سے کفارہ مراد لیتے ہیں۔

۲۔منعقدہ: زمانہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا۔

۳۔لغو: ماضی میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق قسم اٹھانا اس طور پر کہ حالف خود کو سچا سمجھتا ہو، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

حکم

اس یمین پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لايواخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾ [البقرة: ٢٢٥].

اشکال

احادیث الباب حلف بغیر اللہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، جب کہ سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلف بغیر اللہ منقول ہے، آپ نے فرمایا: "أفلح وأبيه إن صدق"، کہ قسم ہے اس کے باپ کی کہ اگر اس نے یہ سچ کر دکھایا، تو یقیناً یہ کامیاب ہو گیا۔ پس دونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہوا۔

جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت سے قبل کی بات ہے، ممانعت بعد میں آئی۔

باب من حلف باللات والعزّى فليقل: لا إله إلا الله

جس نے لات وعزیٰ کی قسم کھائی، وہ ایمان کی تجدید کرے

اگر کسی شخص نے لات وعزیٰ کے نام کی قسم اٹھائی تو یمین منعقد نہیں ہوگی، بلکہ اسے چاہیے کہ استغفار کرے اور "لا إلــه إلا الله" کہے۔ یہ جمہور علماء رحمہم اللہ کا قول ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یمین منعقد ہو جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا، کیونکہ یمین کا دار ومدار عرف پر ہے اور اس وقت کے عرف میں ان الفاظ کو قسم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

فليتصدق: یہ حکم استحبابی ہے کہ اسے چاہیے کہ حسب توفیق صدقہ بھی کرے۔

باب من حلف يمينا فرأى غيرها فيه إلخ

جس شخص نے قسم کھالی اور پھر اس سے بہتر کام میں خیر دیکھی تو وہی بہتر کام کرے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں چند اشعریوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری لینے کے لئے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! میں تمہیں سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس سواری ہے کہ تمہیں دوں، چنانچہ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم ٹھہرے رہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سفید کوہان کے تین اونٹ دینے کا حکم دیا، چنانچہ جب ہم چلے تو ہم نے کہا، یا ہم میں سے بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں برکت نہ دے گا، کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں تمہیں سواری نہ دوں گا اور پھر ہمیں سواری دے دی۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں نے تمہیں سوار نہیں کیا، بلکہ اللہ نے تمہیں سوار کیا ہے اور میں انشاء اللہ کسی چیز کی قسم نہیں کھاؤں گا اور پھر اس سے بہتر (دوسرا کام دیکھوں گا)، مگر یہ کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردوں گا اور اس پر بہتر کام کو کرلوں گا۔

ما أنا حملتكم: اس میں حنث کی نفی ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم میں حانث نہیں ہوئے، کیونکہ آپ نے ذاتی اونٹ نہ دینے کی قسم کھائی تھی اور جو اونٹ دیئے وہ ذاتی نہیں تھے، بلکہ بیت المال کے تھے۔

کفارہ قبل الحنث جائز ہے یا نہیں؟

اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ، داوٗد ظاہری اور امام اشہب مالکی رحمہم اللہ کے نزدیک کفارہ قبل الحنث درست نہیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ قبل الحنث جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال احادیث الباب کے ظاہر سے ہے، کیونکہ ان احادیث میں پہلے کفارہ کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس کام کے کرنے کا جسے حالف نے محلوف علیہ سے بہتر سمجھا، جو بظاہر اس پر دال ہے کہ حانث ہونے سے قبل بھی کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان احادیث میں ''واؤ'' وارد ہے اور ''واؤ'' مطلق جمع کے لئے ہے جو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص قسم اٹھانے کے بعد مقابل کو خیر پائے تو اس پر دو چیزیں واجب ہیں، حنث اور کفارہ۔

احناف کے دلائل

صحیح بخاری میں حضرت سمرہؓ کی روایت ہے، جس میں ہے:"إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيرا منه فأت الذي هو خير وكفر عن يمينك"۔

باب کی حدیث نمبر گیارہ میں ہے:"من حلف علىٰ يمين فرآى غيرها خيرا منها فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه"، اور حدیث نمبر ۱۴ میں ہے: "فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه" ان احادیث میں ہے کہ اگر محلوف علیہ کے غیر کو بہتر سمجھو تو تمہیں چاہیے کہ اسے بجالاؤ اور جس پر قسم اٹھائی ہے، اس کا کفارہ ادا کردو۔

نیز مستدلات احناف مؤید بالقیاس بھی ہیں، اور وہ اس طرح کہ کفارہ ''کفر'' سے ماخوذ ہے، بمعنی چھپانا، اور ظاہر ہے کہ چھپانا تب ہوگا جب پہلے جرم ہو، اس کے بعد اس جرم کو چھپایا جائے گا، جب جرم ہی نہیں تو کیسے چھپایا جائے۔

یا یوں سمجھ لیں کہ کفارہ برائی کی تلافی کے لئے ہوتا ہے اور ''قسم'' فی نفسہ کوئی برائی نہیں، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم اٹھانا ثابت ہے، اس لئے قسم کو کفارہ کا سبب نہیں کہہ سکتے، بلکہ کفارہ کا اصل سبب حانث ہونا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی چیز اپنے سبب پر مقدم نہیں ہوا کرتی، لہذا قبل الحنث (سبب) کفارہ (مسبب) ادا کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ معجم کبیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہی حدیث الباب مروی ہے جس میں انہوں نے حدیث روایت کرتے ہوئے کفارہ کو حنث سے قبل ذکر کیا اور حنث کو بعد میں، مگر عمل اس کے برخلاف یوں کیا کہ پہلے اپنی قسم میں حانث ہوئیں اور پھر کفارہ ادا کیا، چنانچہ حدیث کے الفاظ میں ہے: ''فأعتقت العبد ثم كفرت عن يمينها''.

نیز بعض حضرات نے قبل الحنث جواز کفارہ پر قرآن کریم کی آیت ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾ سے استدلال کیا، طرز استدلال یہ ہے کہ آیت میں کفارے کا ذکر یمین کے متصل بعد ''فاء'' کے ساتھ ہے جو ''تعقیب مع الوصل'' کا فائدہ دیتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ قبل الحنث جائز ہے۔

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں عبارت مقدر ہے، اصل عبارت یوں ہے: ''...... بما عقدتم الأيمان وحنثتم فيها فكفارته......''. اس کی نظیر قرآن کریم کی آیت ﴿ومن كان مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر﴾ ہے، کیونکہ یہاں بھی تقدیری عبارت ہے، یعنی: ''ومن كان مريضا أو على سفر فأفطر فعدة من أيام أخر''، کیونکہ ظاہر ہے کہ دیگر ایام میں ان رزوں کی قضاء کا حکم اس شخص کے لئے جو ان ایام مرض یا سفر میں رخصت پر عمل کرے اور روزے نہ رکھے، باقی جو شخص عزیمت پر عمل کرتے ہوئے ان ایام میں روزے رکھے گا تو ظاہر ہے کہ

اس پر کوئی قضاء لازم نہیں، لہذا آیت میں یہ تقدیر ضروری ہے، وگرنہ عزیمت پر عمل کرنے والے کے لئے "فعدة من أيام أخر" کیا معنی رکھے گا؟!!

باب الاستثناء في اليمين وغيرها

قسم وغیرہ میں ''ان شاء اللہ'' کہنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ بیبیاں تھیں، انہوں نے فرمایا کہ میں سب کے پاس ایک ہی رات میں جاؤں گا اور سب سے استقرار حمل ہو جائے گا اور پھر ان میں سے ہر ایک لڑکا جنے گی جو شہسوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے گا، (پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ان سب کے پاس گئے)، مگر ایک عورت کے علاوہ اور کوئی حاملہ نہ ہوئی اور اس نے بھی آدھا بچہ جنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلیمان علیہ السلام اگر ''انشاء اللہ'' کہتے تو ہر عورت ایک بچہ جنتی جو شہسوار بن کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتا۔

شرح حدیث

حالف اگر یمین کے ساتھ متصلا ''انشاء اللہ'' کہے تو حانث نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی تخریج کیا ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ متصل ''ان شاء اللہ'' کہے تو یہ یمین منعقد نہیں ہوگی اور نہ وہ شخص حانث ہوگا۔

البتہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ استثناء میں اتصال شرط نہیں، لہذا اگر کچھ عرصہ بعد ''ان شاء اللہ'' کہا تو بھی استثناء درست ہے۔ راجح قول جمہور کا ہے۔

باب نذر الكافر وما يفعل فيه إذا أسلم

کافر اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی پچھلی نذر کا کیا کرے؟

ترجمۂ حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ مسجد الحرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر کو پورا کرو۔

في الجاهلية: جمہور شراح کے ہاں اس سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حالت سرک والا زمانہ مراد ہے، یہاں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: ایک شخص نے زمانہ کفر میں نذر مانی اور اسے پورا نہیں کیا، اسلام لانے کے بعد اس پر ایفائے نذر واجب ہے یا نہیں؟ امام طاؤس، امام قتادہ، امام حسن بصری، امام طبری، بعض شوافع اور فی روایۃ امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر ایفائے نذر واجب ہے۔

امام صاحب، صاحبین، امام مالک، اکثر شوافع، اور فی روایۃ امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر ایفائے نذر واجب نہیں۔

فریق اول کا مستدل حدیث الباب ہے، جس میں ہے: "فأوف بنذر" "أوفِ" صیغۂ امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ فریق ثانی کی دلیل طحاوی شریف کی روایت ہے: "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إنما النذر ما ابتغي به وجهُ الله" کہ نذر تو وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو طلب کیا گیا ہو۔ طرز استدلال یہ ہے کہ نذر عبادت ہے اور کافر کی عبادت کا اعتبار نہیں اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نذر زمانۂ کفر کی تھی، اس لئے اُس نذر کا کوئی اعتبار نہیں

ہوگا اور اب زمانۂ اسلام میں اُس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کافر کی نذر کا مقصد تقرب الی اللہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد اپنے معبود باطل کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے اور یقیناً یہ معصیت ہے، لہذا نتیجتاً ایسی نذر بھی معصیت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، لہذا یوں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمانہ کفر کی نذر منعقد نہیں ہوئی، جب منعقد نہیں ہوئی اور بعد از اسلام اس کا ایفاء بھی لازم نہیں ہوگا۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ امر بطور ایجاب نہیں، بلکہ مشورے پر محمول ہے۔ امام طحاویؒ نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ فاروق اعظمؓ نے نذر کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، لہذا آپ نے بھی ان کو نذر پوری کرنے کا حکم دے دیا، کیونکہ اس وقت کا ان کا یہ فعل کرنا اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری کے ارادے سے تھا، لہذا اب کا فعل نذر جاہلیت کے ارادے سے مختلف تھا۔

دوسرا مسئلہ: حدیث الباب سے استدلال کرتے ہوئے شوافع فرماتے ہیں کہ رات کا اعتکاف دن کے بغیر درست ہے اور اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط نہیں، جب کہ احناف کے ہاں صرف رات کا اعتکاف بھی درست نہیں اور بغیر روزہ بھی اعتکاف درست نہیں۔ احناف کی دلیل باب کی اگلی حدیث ہے، جس میں ہے کہ "جعل علیه یوما یعتکفه" کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر ایک دن کے اعتکاف کو لازم کیا، لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں رات کا تذکرہ ہے وہاں ساتھ میں دن بھی مراد ہے اور جہاں دن کا تذکرہ ہے وہاں رات بھی مراد ہے۔

سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کی روایت ہے: عن ابن عمر: "جعل علیه أن یعتکف في الجاهلية ليلة أو يوما عند الكعبة، فسأل النبي صلى الله عليه

وسلم: فقال: اعتکف وصم"، کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاہلیت کی نذر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نذر سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، اعتکاف بھی کرو اور روزہ بھی رکھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف بغیر روزہ کے درست نہیں۔

لَمْ یَعْتَمِرْ مِنْهَا: باب کی پانچویں حدیث کا ٹکڑا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ نہیں کیا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ بہت ساری صریح روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کیا۔ تو ہوسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلا ہو اور انہوں نے عمرہ جعرانہ کی نفی اپنے عدم علم کی بناء پر کی ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ رات کے وقت فرمایا تھا، تو بہت سے صحابہ کرامؓ کو اس کا علم نہ ہوسکا، جیسا کہ ابوداؤد و ترمذی میں محرش الکعبیؓ کی روایت ہے۔

باب صحبة المماليك

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

ترجمۂ حدیث: زاذان ابی عمر بیان کرتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور انہوں نے ایک غلام آزاد کیا تھا تو زمین سے لکڑی یا اور کوئی چیز اٹھا کر کہا: اس میں اس کے برابر بھی ثواب نہیں، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو آدمی اپنے غلام کے طمانچے مارے، یا اسے مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے۔

شرح حدیث

"مالي فيه من الأجر" کی وضاحت: میرے لئے اس غلام کو آزاد کرنے میں

اتنا اجر بھی نہیں جتنا اس تنکے کے برابر ہو، اس لئے کہ میں نے اسے مارا تھا اور اسی کے کفارے میں میں نے اسے آزاد کیا ہے۔ گویا ان کا خیال یہ تھا کہ آزاد کرنے کا اجر مار کے بدلہ میں ہو گیا۔

"فکفارته أن يعتقه": مارنے کی وجہ سے غلام کو آزاد کرنا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے اور اگر یہ ضرب تادیبی ہو تو مستحب بھی نہیں ہے۔

"امتثل منه": اس سے بدلہ لو۔ یہ جملہ باب کی چوتھی حدیث کا ہے اور مضروب غلام کی تطییب نفس پر محمول ہے، ورنہ تھپڑ میں قصاص واجب نہیں۔

"عجز عليك إلا حرُّ وجهها": علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اتنے عاجز ہو گئے تھے کہ تمہیں اس کے چہرہ کے سوا کوئی جگہ نہ ملی۔

"إن الصورة محرمة" یہ یا تو "احترام" کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چہرہ محترم عضو ہے، اس پر مارنا مناسب نہیں ہے، یا یہ "محرمة" کے معنی میں ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چہرہ پر مارنا حرام ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے: "إذا ضرب أحدكم العبد فليجتنب الوجه"، وفي رواية "فإن صورة الإنسان على صورة الرحمن" یعنی جب تم میں سے کوئی غلام کی پٹائی کرے تو چہرہ پر نہ مارے۔

باب کی بارہویں حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے "أعوذ باللہ" کہا، آپ پھر بھی مارتے رہے، اب کی بار غلام نے "أعوذ برسول اللہ" کہا، تو یہ سنتے ہی حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فوراً رک گئے اور مارنا ترک کر دیا۔ اس سے بظاہر استعاذة الرسول کی استعاذة اللہ پر ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک جواب تو علامہ نوویؒ نے دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ

عنہ نے اولا شدتِ غضب کی وجہ سے استعاذۃ اللہ سنا ہی نہ ہو، جیسے اسی باب کی گذشتہ احادیث میں اس بات کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں سنا تھا، تو عین ممکن ہے کہ اسی طرح انہوں نے استعاذۃ اللہ بھی نہ سنا ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ محسوس بنسبت معقول کے اوقع فی الذہن ہوا کرتا ہے، اسی لئے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی فوراً متنبہ ہو گئے۔

باب التغليظ على من قذف مملوكه بالزنا

اپنے غلام پر زنا کی بہتان باندھنے کی شدید وعید

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جس نے اپنے مملوک غلام یا باندی پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی تو قیامت کے روز اس پر حد لگائی جائے گی، الا یہ کہ وہ ایسا ہی ہو کہ جیسا اس نے کہا ہے‘‘۔

شرح حدیث: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں غلام پر تہمت باندھنے والے پر حد نہیں، البتہ تعزیری سزا اس کو دی جائے گی اور انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ یہ حکم دنیاوی احکام کے اعتبار سے ہے، رہی بات آخرت کی تو وہاں چونکہ غلام اور آزاد سب برابر ہیں، وہاں غلام کے لئے تہمت باندھنے والے سے پوری حد وصول کی جائے گی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ام ولد پر تہمت لگائے تو کیا قاذف پر حد جاری ہوگی؟

احناف اور حسن بصریؒ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوگی، جب کہ امام مالک وشوافعؒ کے نزدیک حد جاری ہوگی۔

نبي التوبة: یہ لفظ باب کی دوسری حدیث میں ہے۔
علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی توبہ قول اور عقیدہ کے ذریعہ قبول کی جاتی ہے، جب کہ پہلی امتوں کی توبہ خود کو قتل کرنے کے ذریعے قبول کی جاتی تھی۔
ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ''توبہ'' کے معنی ''رجوع'' کے ہیں، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کو کفر سے ایمان کی طرف راجع کرنے والے ہیں، اس لئے آپ کو ''نبی التوبہ'' سے موسوم کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں مٹانے والا ہوں، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے''۔

باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه إلخ

غلاموں کو ہی کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو

"قَالَ: مَرَرْنَا بِأَبِي ذَرٍ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ وَعلى غُلاَمِهِ مِثْلُهُ. فَقُلْنَا: يَا أَبَا ذَرٍّ، لَوْ جَمَعْتَ بَيْنَهُمَا كَانَتْ حُلَّةً ...." إلخ.

شرح حدیث

"كانت حلة": اس جملہ سے مقصود یہ تھا کہ اگر آپ دونوں چادریں ملا لیتے تو آپ کا لباس عمدہ ہو جاتا۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ "حلة" اہل عرب کے ہاں دو کپڑوں پر بولا جاتا ہے۔

"کان بیني وبین رجل من إخواني": سے مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص مراد ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ غالب یہ ہے کہ وہ شخص غلام تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ''رجل'' سے مراد سیدنا بلالؓ ہیں۔

"کلام": کلام سے مراد برا بھلا کہنا مراد ہے۔

"أعجمیة": یعنی ہر وہ شخص جو فصیح عربی پر قادر نہ ہو، چاہے عربی ہو یا عجمی۔

فَعَیَّرْتُہ: ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس شخص کو ''یا ابن السوداء'' کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"إنك امرء فیك الجاھلیة": مراد یہ ہے کہ تم میں جاہلیت کے زمانے کی خصلت موجود ہے۔

"مَنْ سَبَّ الرِّجَالَ": یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس نے مجھے گالی دی اور عرفاً ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص گالی دیتا ہے تو مسبوب اس کے والدین کو گالی دیتا ہے اور کوئی اسے ظلم نہیں سمجھتا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر فرمائی کہ یہ جاہلیت کی خصلتوں میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص برا بھلا کہے تو تم اس کے بقدر اس کو برا بھلا کہو، اس کے ماں باپ کے پیچھے نہ پڑو۔

"فَأَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ": علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر استحباب پر محمول ہے اور اس کے مستحب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، البتہ آقا پر معروف قاعدے کے مطابق طعام، لباس وغیرہ واجب ہے، جیسا کہ مؤطا کی روایت ہے: "للمملوكِ طعامُه وكسوتُه بالمعروفِ" کہ آقا پر غلام کے لئے اس کا کھانا پینا، اور لباس مہیا کرنا بقدر عرف وبقدر طاقت واجب ہے۔

"علی حال ساعتي من الكبر؟" یعنی میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں، اسلام میں

اتنا عرصہ ہو چکا ہے، اس کے باوجود زمانہ جاہلیت کی یہ صفت مجھ میں موجود ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

شریعت کی زبان میں جاہلیت کی خصلت ان باتوں کا نام ہے جو باہمی اجتماعی فساد کی طرف لے جاتی ہوں، خواہ دین کے اعتبار سے فساد پیدا ہوتا ہو یا دنیوی اعتبار سے، یہ سب جاہلیت ہے۔

"فَلْيَبِعْهُ أَوْ فَلْيُعِنْهُ": مطلب یہ ہے کہ اگر آقا غلام پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آقا اپنے غلام کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے اور یوں غلام کو اپنے پاس باقی رکھنا اور غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف کرنا خود کو مسلسل گناہ میں مبتلا رکھنا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس غلام کو بیچ دے اور کوئی دوسرا غلام خرید لے جو سابق غلام سے زیادہ کام کرسکتا ہو۔

مگر یہ راویت مرجوح ہے، کیونکہ اکثر رواۃ نے "اعانت" کو ذکر کیا ہے، یعنی اگر کبھی غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف کیا تو آقا کو چاہیے کہ اس کے ساتھ تعاون بھی کرے۔

"خولکم": بمعنی خادم، "خائل" کی جمع ہے، اصلاتو چورا ہے کو کہتے ہیں، پھر اس کا اطلاق غلام پر کیا جانے لگا، مراد یہ ہے کہ تمہارے یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔

"مشفوها": یعنی اگر کھانا تھوڑا اور ناکافی ہو تو کم از کم ایک دو لقمے ہی اس کے منہ میں ڈال دے۔

باب ثواب العبد وأجره إذا نصح لسيده إلخ

اس غلام کا ثواب جو اپنے آقا کی خیر خواہی اور رب کی عبادت کرے

ترجمۂ حدیث: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کردیئے، اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو بلایا اور انہیں تین ٹکڑیوں میں تقسیم کیا۔ پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جس کے نتیجے میں دو آزاد کردیئے اور چار کو غلام رہنے دیا اور اس شخص کو سخت سست کہا۔

شرح حدیث

"فلہ أجرہ مرتین": کہ ایسے غلام کے دوہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ اس نے حقوق اللہ (اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت) اور حقوق العباد (اپنے آقا کی اطاعت کی اور حکم مانا) دونوں کی رعایت کی ہے۔

باب کی حدیث ثالث میں ہے: "لو لا الجهاد في سبيل اللّٰه والحج وبر أمي لأحببت أن أموت وأنا مملوك". کہ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے، حج کرنے اور مجھے اپنی ماں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم نہ ہوتا تو میں غلام ہونے کی حالت میں مرنے کو پسند کرتا، کیونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرنے والے غلام کے لئے دوہرا اجر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام پر جہاد اور حج فرض نہیں، کیونکہ اول میں مولیٰ کی اجازت اور دوم میں صاحب استطاعت ہونا ضروری ہے، جب کہ غلام میں دونوں باتیں مفقود ہیں، اس لئے غلام پر نہ حج فرض ہے اور نہ ہی جہاد۔

اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے سے مراد ماں کی خدمت اور ماں پر خرچ کرنا ہے، لیکن چونکہ غلام نہ تو خرچ کرسکتا ہے اور نہ مولیٰ کی وجہ سے اپنی ماں کی خدمت کرسکتا ہے، اس لئے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے غلام ہونے کی تمنا نہیں کی۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مالی عبادات کا ذکر

اس لئے نہیں فرمایا کہ ان کے پاس مال حاجت سے زیادہ نہیں تھا۔

"لم یکن یَحُجَّ حتی ماتتْ أُمُّه لصحبتها" یہاں "حج" سے نفلی حج مراد ہے، اس لئے کہ والدہ کی خدمت نفلی حج پر مقدم ہے۔

نفلی حج کا حکم

نفلی حج بغیر والدین کی اجازت درست نہیں۔ اس بات پر اجماع ہے، البتہ حج فرض ہو تو امام مالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک والدین کے لئے روکنا جائز نہیں۔ احنافؒ کے نزدیک اگر والدین میں سے کوئی ایک اس کی خدمت کی طرف احتیاج رکھتا ہو اور اس کے پاس خادم بھی نہ ہو، جو ان کی دیکھ بھال کر سکے، تو اس شخص پر حج فرض نہیں۔

ولا علی مؤمن مزهد..... کی وضاحت

وہ شخص جس کے پاس مال نہ ہو، یا کم ہو۔

"نعما": اس میں چار لغات ہیں:

۱۔ نِعِمّا، ۲۔ نعمّا، ۳۔ نعمَا، ٤۔ نعْمَا

باب من أعْتَقَ شِرْكاً له في عبدٍ

جس نے مشترک غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا

اس باب کے تحت جو حدیث ہے اس میں دو مسئلے ہیں:

۱۔ عتق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

۲۔ معتِق کے شریک کے لئے غلام سے کمائی کروانا جائز ہے یا نہیں؟

پہلا مسئلہ: امام صاحبؒ کے نزدیک عتق مطلقاً تجزی کو قبول کرتا ہے، چاہے معتق مالدار ہو یا تنگدست۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا، اور ائمہ ثلاثہ

کے نزدیک اگر معتق مالدار ہوتو عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا اور اگر معتق تنگدست ہوتو عتق تجزی کو قبول کرتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مستدل حدیث الباب ہے، کیونکہ اس میں ہے: "عَتَقَ مِنهُ مَا عَتَقَ" کہ جتنا آزاد کیا اتنا آزاد ہو جائے گا۔ دار قطنی میں یہ اضافہ بھی ہے: "وَرَقَّ مَا بَقِيَ" کہ جو حصہ آزاد نہیں کیا وہ غلام رہے گا۔

دوسری دلیل "مسند احمد" میں "اسماعیل بن علیہ عن ابیہ عن جدہ" کے طریق سے روایت ہے: "كان لهم غلامٌ يقال له طهمانُ أو ذكوانُ فأَعْتَقَ جَدُّهُ نصفَه، فجاء العبدُ إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأَخْبَرَهُ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تُعْتَقُ فِيْ عِتقِكَ وتُرَقُّ في رِقِّكَ. قال: فكان الغلام يخدم سيده حتى مات".

کہ نصف آزاد کردہ غلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم آزاد کردہ میں آزاد ہو اور بقیہ میں غلام ہو۔

مانعین کی دلیل سنن ابوداؤد میں "ابو الملیح عن ابیہ" کی سند سے روایت ہے: "أن رجلا أعتق شِقْصاً له من غلام فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: ليس لله شريك، فأجاز النبي صلى الله عليه وسلم عتقه".

کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مکمل آزاد ہونے کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، بایں معنی آدھا غلام تو اللہ کے لئے آزاد ہو اور باقی میں تمہاری ملکیت ہو، تو گویا کہ اللہ کے ساتھ خود کو شریک کرنا ہے۔

دوسرا مسئلہ غلام سے کمائی کروانا ہے، یعنی شریک ثانی کو جو نقصان ہو رہا ہے وہ غلام کی کمائی سے پورا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے، چاہے معتق تنگدست ہو یا مالدار۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ صاحبینؒ

فرماتے ہیں کہ اگر معتق معسر ہوتو اس کا استسعاء جائز ہے اور اگر معتق موسر ہوتو نا جائز ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل باب "ذکر سعایة العبد" میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، جس میں ہے: "فإن لم يكن له مال أُستُسعِيَ العبدُ غيرَ مشقوقٍ عليه" کہ غلام سے محنت کرائی جائے گی، مگر بغیر جبر کے۔ یسار کی صورت میں احادیث میں سعی کا ثبوت اگر چہ نہیں ہے، لیکن نفی بھی نہیں کی گئی۔

صاحبین کی دلیل باب کی پانچویں روایت ہے:

"من أعتق عبدا بينه وبين آخر، قوّم عليه في ماله قيمة عدل، لا وكس ولا شطط، ثم عتق عليه في ماله إن كان موسرا".

کہ اگر کسی نے مشترکہ غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی، غلام مکمل آزاد ہوگا، اور شریک کا جو حصہ ہے اسے آزاد کرنے والے کے حصے سے پیسوں (وغیرہ) کی صورت میں ادا کیا جائے گا، بشرطیکہ آزاد کرنے والا غنی ہو۔

خلاصہ یہ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اگر معتق موسر ہے تو عبد مشترک کو آزاد کرنے کے بعد اس کے شریک کو تین باتوں میں سے ایک کا خیار ہے۔

۱۔ وہ بھی اپنے حصے کو بھی آزاد کردے۔

۲۔ معتقِ موسر کو اپنے ذمے کا ضامن بنائے۔

۳۔ غلام سے کمائی کرائے۔

پہلی اور تیسری صورت میں ولاء دونوں میں مشترک ہوگی، اور دوسری صورت میں ولاء معتق موسر کے لئے ہوگی اور اس کے لئے غلام پر رجوع بھی جائز ہے اور اگر معتق معسر ہے تو شریک کو دو باتوں میں سے ایک کا خیار ہے۔

۱۔ وہ بھی اپنے ذمہ کو آزاد کردے۔ ۲۔ غلام سے کمائی کرائے۔

صاحبینؒ کے نزدیک اگر معتق موسر ہے تو مکمل غلام آزاد ہو گیا اور شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ معتق کو اپنے ذمے کا ضامن بنائے، لیکن معتق غلام پر رجوع نہیں کرسکتا، اور اگر معتق معسر ہو تو شریک غلام سے کمائی کروائے اور ولاء دونوں صورتوں میں معتق کے لئے ہوگی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر معتق موسر ہوگا تو ان کا قول صاحبین کی طرح ہے، اور اگر معتق معسر ہے تو فقط اس کا ذمہ آزاد ہوگا اور شریک کی ملکیت باقی رہے گی اور معتق سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی غلام سے کمائی کروائی جائے گی، یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے، لیکن ان کے ہاں یسار کی صورت میں شریک کا ذمہ قیمت کی ادائیگی کے بغیر آزاد نہیں ہوگا۔

"لاوكس ولاشطط"، أي: "لابنقص ولابزيادة". یہ جملہ باب کی پانچویں حدیث میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام کی جو قیمت لگائی جائے گی تو اس میں نہ کمی کی جائے گی اور نہ زیادتی۔

"عن عمران بن حصين أن رجلا أعتق ستة مملوكين ...... إلخ".

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کردیئے، اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو بلایا اور انہیں تین ٹکڑوں میں تقسیم کیا، پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی، جس کے نتیجے میں دو آزاد کئے اور چار کو غلام رہنے دیا اور اس شخص کو سخت سست کہا۔

وقال قولا شديداً: نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد هممتُ أن لاأصلي عليه" کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھوں۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد شهدته قبل أن يدفن له بقبري مقابر المسلمين" کہ اگر میں اس ے دفن کئے جانے سے قبل آجاتا

تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تغلیظ اور زجر پر محمول ہے، تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مرض الموت میں مال مورث کا نہیں رہتا، بلکہ ورثاء کا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا تمام غلاموں کو آزاد کرنا یہ نیکی نہیں، بلکہ ورثاء کے لئے سبب ضرر ہے، اگر نیکی مقصود ہوتی تو وہ اپنی صحت کی حالت میں کرتا۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعتق عند الموت كمثل الذي يُهدي إذا شَبِعَ" کہ جو شخص موت کے وقت آزاد کرے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سیر ہونے کے بعد ہدیہ کرے۔

ائمہ ثلاثہؒ حدیث الباب کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے چھ غلام آزاد کرے اور اس کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کر کے قرعہ اندازی کی جائے گی، دو کو آزاد کر دیا جائے گا اور باقی چار غلام رہیں گے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہر غلام کا ثلث آزاد ہوگا اور مابقی دو ثلث کی قیمت غلام کما کر دیں گے۔ امام شعبی، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، حسن بصری، سعید بن المسیب، حماد، قتادہ رحمہم اللہ جیسے فقہاء و تابعین بھی اس مسئلے میں احناف والا قول اختیار کرتے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ ان حضرات کا مذہب قرآن و سنت سے ثابت شدہ اصولوں پر مبنی ہے۔

ا۔ متعدد نصوص سے یہ ثابت ہے کہ "عتق" اعتاق کے فوری بعد نافذ ہو جاتا ہے، اس میں تاجیل و تاخیر نہیں ہوتی، حتی کہ اگر کوئی شخص مذاق میں بھی غلام کو آزاد کر دے تو

شریعت اسے بھی حقیقت قرار دے کہ غلام کو آزاد تصور کرتی ہے۔ جب اس شخص نے چھ غلاموں کو آزاد کیا، حالانکہ اسے ان میں سے ہر ایک کے ثلث کو آزاد کرنے کا اختیار تھا تو ہر غلام کا ثلث اس کے اعتاق پر تکلم کے فورا بعد آزاد ہو گیا، اب اگر قرعہ اندازی کا حکم دیا جائے تو یہ آزادی کو غلامی میں تبدیل کرنا ہے اور شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

وصیت بالعتق میں تین اصول ہیں۔

۱۔ حق المیت، وہ یہ کہ اس کی وصیت نافذ نہ ہو۔

۲۔ حق الورثہ، وہ یہ کہ مابقی دو ثلث میں وصیت نافذ نہ ہو۔

۳۔ حق الغلام، اس غلام کا حق جس کے آزاد کرنے کی وصیت کی گئی، وہ یہ ہے کہ اس کی قیمت ثلث مال سے نکلتی ہے، تو اسے آزادی حاصل ہو جائے۔

اب قرعہ اندازی کی طرف رجوع اس تیسرے حق کو باطل کرتا ہے، اس لئے کہ مالک کے آزاد کرنے کی بناء پر ہر غلام اپنے ثلث میں آزادی کا مستحق ہو چکا اور استحقاق میں ایک غلام کو دوسرے غلام پر ترجیح نہیں، جب کہ قرعہ اندازی میں ایک غلام کو استحقاق زیادہ ملے گا اور دوسرا اپنے حق سے بھی محروم ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

۳۔ اصول: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد کی صحیح حدیث سے، یہ بات ثابت ہے کہ وصیت ثلث میں منحصر ہے اور کسی بھی حالت میں اس سے تجاوز جائز نہیں۔ اس حدیث پر عمل اس صورت میں ہو سکتا ہے جو ہم احنافؒ نے بیان کی، کیونکہ قرعہ اندازی میں ہو سکتا ہے کہ اس غلام کا نام نکل آئے جس کی قیمت باقی پانچ سے زیادہ ہو، یا ان غلاموں کا نام نکل آئے جن کی قیمت ثلث سے زیادہ ہو۔ اس کی صراحت مغنی ابن قدامہ میں بھی موجود ہے۔

احناف کی طرف سے حدیث الباب کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

ا۔علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ''اعلاء السنن'' میں یہ جواب دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کو شیوع کے ساتھ آزاد کیا اور باقی چار کو اسی طرح غلام رہنے دیا، یعنی ان کا ایک ثلث آزاد کر دیا اور باقی دو ثلث کو غلام رکھا اور اس پر دلیل امام طبرانی کی روایت ہے جس میں حضرت ابوامامہؓ سے منقول کیا ہے:

"أعتق رجل في وصيته ستة أرؤس لم يكن له مال غيرهم فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فتغيظ عليه ثم أسهم فأخرج ثلثهم". علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ''اسہم'' کا معنی ہے: "جزاهم ثلاثا" لیکن روایت بالمعنی کی وجہ سے بعض راویوں نے اسے "أقرع بينهم" روایت کر دیا، اس لئے کہ اسہام کا اطلاق اگرچہ قرعہ اندازی پر ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات اس کا اطلاق تقسیم پر بھی ہوتا ہے۔

۲۔دوسرا جواب امام طحاویؒ نے دیا کہ وجوب قرعہ اندازی کا حکم ابتداء اسلام تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کا مذہب محتاط ہے اور اصولوں کے زیادہ موافق ہے۔

باب جواز بيع المدبر

مدبر کی بیع کے جواز کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے مرنے کے بعد اپنا غلام آزاد کیا، اس کے علاوہ اس کے پاس اور مال نہیں تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوگئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس غلام کو کون مجھ سے خریدتا ہے؟ تو نعیم بن عبداللہ نے آٹھ سو درہم کے بدلے اسے خرید لیا۔آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غلام اس کے حوالے کر دیا۔عمرو بن

دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سنا کہ وہ غلام قبطی تھا۔ (حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے) پہلے ہی سال انتقال کر گیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر بنا دیا، جب کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مجھ سے کون خریدے گا؟ تو نعیم بن عبداللہ نے اسے آٹھ درہم میں خرید لیا اور یہ دراہم اس انصاری کو دے دیئے۔ عمرو بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ وہ قبطی غلام تھا جو گزشتہ برس انتقال کر گیا۔

شرح حدیث

مدبر کی تعریف: مدبر وہ غلام ہے جسے آقا کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔

بیع المدبر کا کیا حکم ہے؟

اس میں تین مذہب ہیں:

۱۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے، اگرچہ مولیٰ مدیون اور محتاج نہ ہو۔

۲۔ مدبر کی بیع صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ مولیٰ مدیون ہو اور اس کی ملکیت میں اس کے سواء کوئی دوسرا مال نہ ہو۔ یہ امام اسحاقؒ اور ابوایوبؒ وغیرہ کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مدبر کا آزاد کرنا تو جائز ہے، لیکن اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ مدبر مقید ہو کہ مثلاً آقا نے اس سے یہ یوں کہا تھا: "إن متُّ في شهري هذا فأنت حر" تو ایسے مدبر کو بیچنا جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ اپنے دعویٰ پر کئی احادیث سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً امام دار قطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے: "أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المدبر لايباع ولايوهب وهو حر من الثلث".

کہ مدبر کو نہ بیچنا جائز ہے اور نہ اسے کسی کو ہدیہ کرنا جائز ہے، بلکہ مدبر غلام مولیٰ کے ثلثِ مال سے آزاد شمار ہوگا۔

علاوہ ازیں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بیہقی میں متعدد قوی آثار منقول ہیں، یہ سب حضرات مدبر کی بیع کے عدم جواز اور ثلث میں سے اس کے عتق کے قائل ہیں۔ جہاں تک حدیث الباب کا تعلق ہے تو احناف کی طرف سے عام طور پر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ اصل میں مدبر مقید تھا اور اس کی بیع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، لیکن اکثر روایات اس تاویل کو رد کرتی ہیں، کیونکہ ان سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدبر مقید نہیں تھا، بلکہ مدبر مطلق تھا، بلکہ خود حدیث الباب میں یہ الفاظ ہیں: "أعتق غلاما له عن دبر".

دوسرا جواب جو ابن ترکمانیؒ نے "الجوهر النقي" میں دیا ہے کہ حدیث الباب میں مدبر کی بیع سے اس کی خدمت کی بیع مراد ہے، یوں دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو اجرت اور کرائے پر دیا تھا، لیکن راوی نے اس کو بیع کو تعبیر کیا، کیوں کہ کرائے اور اجارہ پر بھی بیع کا اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی اس روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كان له فضل أرض فليَزْرَعْهَا، أو ليُذْرِعْهَا، ولاتبيعوها". اس پر حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعیدؓ سے سوال کیا کہ کیا بیع سے کرائے پر دینا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں، بیع سے کرائے پر دینا مراد ہے۔

کتاب القَسَامۃِ والمُحَاربین والقصاصِ والدِّیاتِ

قسامت، محاربین، قصاص اور دیات کے مسائل کا بیان

ترجمۂ حدیث: سہل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید دونوں نکلے، جب خیبر پہنچے تو دونوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے، پھر محیصہ نے دیکھا کہ عبداللہ بن سہل کو کسی نے مار ڈالا۔ انہوں نے عبداللہ بن سہل کو دفن کیا، پھر وہ اور حویصہ بن مسعود اور عبدالرحمٰن بن سہل تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبدالرحمٰن سب میں چھوٹے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پہلے گفتگو شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عمر میں بڑا ہے اس کی بڑائی کو قائم رکھو، چنانچہ یہ خاموش ہو گئے اور ان کے ساتھیوں نے صورت حال بیان کرنا شروع کی اور انہوں نے بھی ان کے ساتھ بیان کی، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن سہل کے مارے جانے کے مقام کو بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پچاس قسمیں کھا کے اپنے قاتل کا خون حاصل کرتے ہو؟ یہ تینوں بولے کہ ہم کس طرح قسمیں کھا سکتے ہیں، جب کہ خون کے وقت ہم حاضر نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر اس الزام سے بری ہو جائیں گے۔ وہ بولے کافروں کی قسمیں کیوں کر قبول کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو ان کو دیت دی۔

شرح حدیث

قسامہ ''قسم'' سے ماخوذ ہے، بمعنی کسی مقتول کے خون پر قسم اٹھانا، یا یہ ''قسمت'' بمعنی تقسیم کرنا سے ماخوذ ہے۔ اصطلاحاً: کسی قوم، قبیلے یا محلے میں کوئی مقتول پایا جائے اور

اس کا قاتل معلوم نہ ہو اور اولیائے مقتول اہل محلہ پر قتل کا دعوی کریں تو اہل محلہ میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں گے: "وَاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاه وَمَا عَلِمْنَا لَهٗ قَاتِلًا" اس عمل کو شریعت میں ''قسامت'' کہا جاتا ہے۔

في السنّ: یہ مدرج من الراوی ہے۔

قسامت میں قسم کس پر ہوگی؟

احناف، ابراہیم نخعی، شعبی، سفیان ثوری اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک قسم اہل محلہ (مدعی علیہم) پر ہوگی اور ان میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں گے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت میں قسم اولیائے مقتول پر ہوگی اور ان میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں گے کہ ان لوگوں نے یا فلاں شخص نے اس (مقتول) کو قتل کیا ہے، اور اگر یہ اولیائے مقتول قسم اٹھانے سے انکاری ہو جائیں تو اولیائے قاتل سے قسم لی جائے گی۔ ان حضرات کا مستدل حدیث الباب ہے، جس میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیائے مقتول سے فرمایا: "أتحلفون خمسين يمينا" کہ کیا تم پچاس قسمیں کھا سکتے ہو؟ اور سنن ابی داود کی روایت میں ہے: "يقسم خمسون منكم علىٰ رجل منهم" کہ تم (اولیائے مقتول) میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں گے۔

احناف کے دلائل

۱۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے حدیث نقل کی ہے: "البينة علىٰ المدعي واليمين علىٰ من أنكر". اس حدیث میں امت مسلمہ کے لئے ایک قاعدہ، ضابطہ اور ایک مکمل کلی اصول ہے کہ قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

۲۔ قسم کسی چیز کی نفی کے لئے لی جاتی ہے، نہ کہ اثبات کے لئے۔ اثبات شی کے لئے یا تو بینہ ہوتا ہے یا اقرار، اگر ہم قسامت میں قسم کو اولیائے مقتول پر تقسیم کریں گے تو

مطلب یہ ہوگا کہ قسم مثبتِ قتل ہے۔

۳۔ امام بخاریؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کا ایک مشہور مکالمہ بسط کے ساتھ نقل کیا ہے، جس میں ابوقلابہ اور احناف کے قول میں توافق ہے اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی ابوقلابہ کے قول کو پسند فرمایا ہے۔

۴۔ سنن ابی داوٗد شریف میں رافع بن خدیج کی روایت ہے:

"أَصبَحَ رجلٌ من الأنصار قتيلا بخيبرَ، فانطلق أولياءُه إلىٰ النبي صلى الله عليه وسلم فذكروا ذلك له، فقال: شاهدان يشهدان علىٰ قاتلِ صاحبكم؟ قالوا: يارسول الله! لم يكن ثم أحدٌ من المسلمين وإنما هم يهود وقد يجترئون علىٰ أعظم من هذا. قال: فاختاروا منهم خمسين فاستخلفوهم، فأبوا فوَدَاه رسول الله صلى الله عليه وسلم من عنده".

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہم سے قسمیں اٹھوائیں۔

یہ حدیث "ماسکت عنہ ابوداوٗد" میں سے ہے اور اصح الدلالۃ علیٰ مذہب الاحناف ہے۔

۵۔ باب کی نویں حدیث ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقر القسامة علىٰ ماكانت عليه في الجاهلية".

امام بخاریؒ نے "باب القسامة في الجاهلية" میں قسامہ ابی طالب کو ذکر کیا ہے اور مقصود اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ قسامت زمانہ جاہلیت میں جیسے تھی شریعت نے اسے ویسے ہی برقرار رکھا ہے اور اس قسامت اور مسلک احناف میں توافق ہے۔

۶۔ امام طحاویؒ "شرح معانی الآثار" میں فرماتے ہیں:

"حكَمَ به عمرُ بن الخطابؓ بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم بحضرةِ أصحابِه، فلم ينكر عليه منهم منكر، ومحال أن يكون عند الأنصار

من ذلك علم ولاسيما مثل محيصة، وقد كان حيا يومئذ وسهل بن أبي حثمة ولايخبرونه به ويقولون ليس هكذا قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم لنا علىٰ اليهود"۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے موجود ہوتے ہوئے یہ فیصلہ فرمایا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں فرمائی، اور یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ صحابہ کرام کے پاس کسی بات کا علم ہو اور وہ اسے چھپائیں۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان میں روایات مضطرب ہیں۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انصار سے پہلے قسم کا مطالبہ کیا، جب کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آپ نے گواہ طلب کئے۔ مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایات سے بخاری کی روایت کی تائید ہوتی ہے اور یہی احناف کا مؤقف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیین پر قسم کو حکم شرعی کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ جو کچھ ان کے دلوں میں مضمر تھا، اس کے انکشاف کے لئے کہ یہ اس واقعہ میں کیا چاہتے ہیں، ان پر قسم کو پیش کیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مستدلات احناف قاعدہ کلیہ ہیں۔

"فتستحقون صاحبكم": قسامت میں حلف اٹھانے کے بعد اہل محلہ پر قصاص لازم آئے گا یا دیت؟ احناف، شوافع، شعبی، نخعی، ثوری، اسحاق بن راہویہ اور حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت میں حلف اٹھانے کے بعد اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی، چاہے دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا، الا یہ کہ اگر کوئی قاتل متعین ہو چکا ہے تو اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور دیت بھی ادا کرنی ہوگی، اس لئے کہ قاتل نے قتل عمد کیا ہے اور اہل محلہ نے کوتاہی ۔

حضرات مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر اولیائے مقتول نے قتل عمد کا دعویٰ کیا ہے تو اہل محلہ سے قصاص لیا جائے گا، ان حضرات کا مستدل حدیث الباب ہے، جس میں ہے: "فتستحقون صاحبكم أو قاتلكم" اور قاتل کا مستحق ہونا قصاص لینے کے لئے ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل

۱۔مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن مسیب کی روایت ہے: "فأغرم رسول الله صلى الله عليه وسلم اليهود ديته؛ لأنه قتل بين أظهرهم".

۲۔مصنف عبدالرزاق میں ہے: "فجعلها رسول الله صلى الله عليه وسلم دية على اليهود؛ لأنه وجد بين أظهرهم". (سنن ابی داؤد)

۳۔مصنف عبدالرزاق میں حسن بصریؒ کی روایت ہے: "فجعل النبي صلى الله عليه وسلم العَقْلَ على اليهود".

ان تمام روایات میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کی تھی۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ ہم ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے حلف کا نہیں، بلکہ بینہ کا مطالبہ فرمایا تھا، بعض رواۃ نے اس کی تعبیر ''حلف'' سے کردی ہے، اس لئے کہ قصاص بینہ کی بناء پر ہوتا ہے، نہ کہ قسامہ کی بناء پر، اس کی تائید نسائی کی روایت سے بھی ہوتی ہے: "أَقِمْ شاهدين على مَنْ قَتَلَهُ أَدْفَعْهُ إليكم بِرُمَّتِهِ" کہ اگر قاتل پر گواہ لے آؤ تو قاتل کو تمہارے حوالے کردوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ سے متعلق روایات کا مضطرب ہونا ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ احتیاط کا تقاضا اور حضرت عمر کے اثر اور اصول وقواعد کی روشنی میں دیت کا قول زیادہ بہتر ہے، نہ کہ قصاص کا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے "ترك القود بالقسامة" کا باب قائم کیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قسامت میں حلف کے بعد دیت واجب ہوگی، نہ کہ قصاص۔

البتہ روایات میں اس اعتبار سے تعارض ہے کہ احادیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت ادا کی، جب کہ گزشتہ صفحہ میں مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایات نقل کر چکے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دیت یہود پر لازم کی گئی تھی، یوں دونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہو گیا۔

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ دیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر لازم کی، پھر بطور "حمالہ" (وہ دیت اور تاوان جو انسان کسی دوسرے کی طرف سے اصلاح احوال کی غرض سے ادا کرتا ہے)، نبی علیہ السلام نے بیت المال سے یہ دیت ادا کی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دیت یہود پر لازم تھی، انہوں نے کچھ دیت ادا کردی اور باقی کی ادائیگی سے منکر ہو گئے، تو باقی دیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے ادا کی، لہذا جن حضرات نے "اخذ الدیۃ من الیہود" کا انکار کیا ہے، انہوں نے کل کا انکار کیا ہے اور جنہوں نے اثبات کیا ہے تو انہوں نے بعض کو ثابت کیا ہے۔ باقی روایات میں "إبل الصدقة" کے الفاظ ہیں، اس سے مراد زکوۃ کے اونٹوں کو بطور قرض دینا ہے، وگرنہ یہ مصرف زکوۃ نہیں۔

"بِرُمَّتِه": باب کی دوسری حدیث میں ہے، اس سے مراد وہ رسی ہے جس سے قاتل کو باندھا جاتا تھا، جب اسے قصاص کے لئے لایا جاتا۔

"مربدا": اونٹ باندھنے کی جگہ۔

"وهي يومئذ صُلْحٌ": باب کی پانچویں حدیث میں ہے، یعنی یہ واقعہ فتح خیبر کے بعد پیش آیا۔

"فریضة": باب کی چھٹی حدیث میں ہے، مراد وہ اونٹنی ہے جو دیت میں دی جاتی ہے۔

في عينٍ أو فقيرٍ: باب کی آٹھویں حدیث میں ہے۔ "فقیر" سے مراد گڑھا یا کنواں ہے۔

إما أن يَدُوُا صاحبَكم: یہ حدیث بھی احناف اور شوافع کی دلیل ہے کہ موجب قسامت دیت ہے۔

باب حكم المحاربين والمرتدين

باغیوں اور مرتدوں کے احکام کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئے تو انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، انہیں استسقاء ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اگر چاہو تو صدقات کے اونٹوں میں چلے جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو"۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ اچھے ہو گئے، پھر اونٹوں کے چرواہوں کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کو مار ڈالا اور اسلام سے مرتد ہو گئے اور اونٹوں کو لے بھاگے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو روانہ کیا، وہ پکڑے گئے، آپ نے ان کے ہاتھ پیر کٹوائے اور ان کی آنکھوں میں (گرم) سلائیاں پھروائیں اور تپتے ہوئے میدان میں ان کو ڈلوا دیا، بالآخر وہ (اسی طرح) مر گئے۔

شرح حدیث

عرينة: "عرنة" کی تصغیر ہے، یہ جگہ عرفات کے نواحی علاقے میں ہے۔ بعض روایات میں عرینہ کے بجائے "عکل" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ بعض میں "من عرينة

أو عکل" شک کے ساتھ ہے اور بعض میں "من عرینة و عکل" واو کے ساتھ ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ چار آدمی عرینہ کے، تین عکل کے اور ایک اجنبی تھا۔

"قَدِمُوا": ان کی آمد غزوۂ ذی قرد کے بعد ۶ھ میں ہوئی۔ سیرت ابن ہشام

امام بخاریؒ کے نزدیک حدیبیہ کے بعد ذی قعدہ میں اور واقدی کے ہاں شوال میں ان کی آمد ہوئی۔

"فاجتووھا": ابن فارسؒ فرماتے ہیں کہ "اجتویت البلد إذا کرھت المقام فیه وإن کنت في نعمة" کہ "اجتویت البلد" اس موقعہ پر کہا جاتا ہے جب آدمی کسی جگہ رہائش کو باوجود نعمتوں کے ناپسند کرے۔ امام خطابیؒ نے اسے ضرر کے ساتھ مقید کیا ہے، کہ جب ضرر اور نقصان کی وجہ سے وہاں رہائش کو پسند نہ کرے اور مذکورہ بالا قصہ کے پیش نظر یہی معنی زیادہ بہتر ہے۔

"إلی إبل الصدقة": مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر قباء کے نواح میں ''ذی الجدر'' مقام پر بھیجا۔

فَتَشْرَبُوْا من ألبانها و أبوالها: یہاں دو مسئلے ہیں:

۱۔ ماکول اللحم جانوروں کا حکم، ۲۔ تداوی بالحرام کا حکم

۱۔ ماکول اللحم جانوروں کا بول پاک ہے۔ یہ مذہب ہے امام مالک، احمد، محمد، شعبی، عطاء بن ابی رباح، نخعی، زہری، ابن سیرین، حکم، سفیان ثوری اور بعض شوافع رحمہم اللہ کا اور حدیث الباب ان کا مستدل ہے۔

امام صاحب، امام شافعی، ابو یوسف، ابو ثور اور دیگر علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تمام ابوال نجس ہیں، خواہ ماکول اللحم جانوروں کے ہوں یا غیر ماکول اللحم کے۔

ان حضرات کی ایک دلیل ترمذی شریف کی روایت ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے:

"فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها"، تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے بوجہ نجاست کے سرایت کرنے کے منع فرمایا، تو جو چیز خود نجس ہو اس کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے؟؟!

دوسری دلیل: ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "استنزهوا من البول؛ فإن عامة عذاب القبر منه".

حدیث الباب کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کو جو حکم دیا وہ بطور علاج تھا، اگر کوئی طبیب حاذق مسلمان یہ فیصلہ کردے کہ اس کا علاج اس حرام چیز میں منحصر ہے تو اس کا استعمال جائز ہے اور یہاں عین ممکن ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی بتادیا گیا ہو۔ اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ہوتی ہے: "وإن في أبوال الإبل وألبانها شفاء لذِربة بطونهم". (فساد معدہ کا علاج ہے)۔

اور اطباء نے بھی لکھا ہے کہ استسقاء کی بیماری میں اونٹ کا پیشاب سونگھنا اور پینا مفید ہے، کیونکہ اونٹ شیخ اور قیصوم کے پتے کھاتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے معدے کی بیماری کا علاج رکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مثلہ کا ذکر ہے اور بعد میں مثلہ کو آپ نے حرام قرار دیا تھا، چنانچہ سنن ابوداؤد میں عمران بن حصین اور سمرہ بن جندب کی روایت ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحثنا على الصدقة وينهانا عن المثلة" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صدقہ دینے پر ابھارتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ تضمین پر محمول ہے۔ تضمین یہ ہے کہ عامل محذوف کے معمول کا عامل مذکور کے معمول پر عطف کیا جائے، اصل میں یوں تھا: "فتشربوا من

ألبانها وتستنشقوا من أبوالها" تو کسی راوی نے "استنشاق" کو چھوڑ کر اس کا عطف ماقبل پر کرلیا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کا حکم دیا فقط، انہوں نے وہاں جاکر اپنے تجربے کے مطابق "بول" بھی پی لیا۔

راوی نے یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا ہے تو انہوں نے دونوں چیزوں کو ذکر کردیا۔ یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ اس میں راوی کی طرف سوءِ فہم کی نسبت ہے۔

دوسرا مسئلہ: تداوی بالحرام مطلقاً جائز نہیں۔ یہ حنابلہ اور موالک کا مذہب ہے۔

حضرات شوافع کے نزدیک تداوی بالحرام جائز ہے، سوائے مسکرات کے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تداوی بالحرام جائز نہیں، امام ابویوسف کے نزدیک تداوی بالحرام جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک بول مایوکل لحمہ کا استعمال تداوی اور غیر تداوی دونوں میں جائز ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب تداوی کے لئے ایسی چیز کا استعمال جائز نہیں جو طاہر، مگر حرام ہے، "كلبن الأتان، فما ظنك بالنجس؟" کہ جیسے گدھی کا دودھ ہے جو طاہر ہے، مگر حرام ہے، تو جو چیز ہے ہی نجس اس کا استعمال تداوی کے لئے کیونکر جائز ہوگا؟

حنفیہ کے نزدیک فتوی امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے کہ تداوی بالحرام جائز ہے، بشرطیکہ کہ طبیب کے علم میں اس کے علاوہ کوئی اور دوا نہ ہو۔

جو حضرات تداوی بالحرام کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا مستدل حدیثِ عرینہ ہے اور جو حضرات جائز قرار نہیں دیتے ان کی ایک دلیل ابودرداءؓ کی روایت ہے:

۱۔ "إن الله أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تتداوا

بحرام".

۲۔ عن عبدالرحمن بن عثمان أن طبيبا سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن ضفدع يجعلها في دواء فنهاه النبي صلى الله عليه وسلم عن قتلها.

۳۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الدواء الخبيث.

یہ تینوں احادیث سنن ابوداؤد میں ہیں۔

۴۔ طحاوی میں ابن مسعودؓ کا اثر ہے: "ما كان الله لِيَجْعَلَ في رجسٍ أو في ما حرَّمَ شِفَاءً".

۵۔ معانی الآثار اور صحیح بخاری میں ابن مسعودؓ کا اثر ہے: "إن الله لم يجعل شفائكم فيما حرم عليكم".

۶۔ طحاوی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: "اللّٰهم لاتشف من استشفىٰ بالخمر".

مجوزین ان احادیث کو حالت اختیار پر محمول کرتے ہیں۔

"ثم مالوا علىٰ الرُّعاء": راعی کی جمع ہے، اس چرواہے کا نام یسار تھا۔

ذود: اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

یہ سولہ دودھ والی اونٹنیاں تھیں۔ ایک حناء نامی اونٹنی کو انہوں نے ذبح کیا، باقی پندرہ واپس ملیں۔

"في إثرهم": بیس شاہ سواروں کو زین بن جابر الفہری کی قیادت میں بھیجا۔

"فقطع أيدهم وأرجلهم": یہ سزا محاربہ کی حد کے طور پر تھی، یا ایسا ان کے ساتھ قصاصاً کیا گیا، کیونکہ انہوں نے یسار کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

"في الحرة": سنگلاخ زمین یا کالے پتھروں والی زمین۔

"وسَمَلَ أعينَهم": آنکھوں میں گرم سلاخ پھیرنا۔

اشکال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان محاربین کا مثلہ کیا، حالانکہ مثلہ شریعت میں ممنوع ہے، جیسا کہ ماقبل میں حضرت عمران بن حصینؓ اور سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہما کی روایت میں مثلہ کی ممانعت کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

جواب: یہ نہی سے قبل کا واقعہ ہے۔

۲۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیراً اور سیاسۃً ان کا مثلہ کیا۔

۳۔آپ نے قصاصاً ان کے ساتھ ایسا کیا، کیونکہ انہوں نے آپ کے غلام کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔

محاربین کے احکام

اس باب میں ''اصل'' قرآن کریم ہے:

﴿إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسولَه ويسعَوْنَ في الأرضِ فساداً أن يُقَتَّلُوا أو يُصَلَّبُوا أو تُقَطَّعَ أيديهم وأرجلهم من خلاف أو يُنفَوْا من الأرض﴾ [المائدة: ۳۳].

آیت کریمہ میں چار سزاؤں کا ذکر ہے بمقابلہ چار جرائم۔

۱۔صرف قتل کیا اور مال نہیں لیا تو قتل کیا جائے گا، سولی نہیں دی جائے گی۔

۲۔مال چھینا، قتل نہیں کیا، تو ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے۔

۳۔اگر مال بھی چھینا اور قتل بھی کیا تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرے، یا سولی چڑھادے، یا تینوں کو جمع کرے، یا قتل کرے اور سولی پر چڑھادے، یا فقط قتل کرے یا فقط سولی پر چڑھادے۔

۴۔ اگر صرف لوگوں کو ڈرایا، مال وغیرہ اور قتل نہیں کیا، تو انہیں قید کر دیا جائے گا، احناف کے نزدیک ''نفی من الارض'' سے قید مراد ہے، یہاں تک کہ وہ وہیں مر جائیں یا پھر توبہ کر لیں۔

یہ مذہب احناف کا ہے۔ امام شافعیؒ بھی پہلی دو صورتوں میں احناف کے ساتھ ہیں، البتہ تیسری صورت میں وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے، بلکہ انہیں قتل کیا جائے گا اور سولی پر چڑھایا جائے گا۔

امام مالک پہلی صورت میں موافق ہیں، یعنی قتل کے بدلہ قتل۔ باقی تمام صورتوں میں ان کے نزدیک حاکم وقت کو اختیار ہے، چاہے قتل کرے، چاہے قتل اور سولی کو جمع کرے، چاہے ہاتھ پاؤں کاٹ دے، چاہے جلا وطن کرے۔

ان کا مستدل آیت مذکورہ ہے اور ان کے نزدیک آیت میں ''أوْ'' تخییر کے لئے ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ ''او'' تنویع یا بیان کے لئے ہیں۔ جمہور کا مستدل ابن عباسؓ کا اثر ہے: "إذا قتلوا وأخذوا المال قتلوا وصلبوا وإذا قتلوا ولم يأخذوا المال قتلوا ولم يصلبوا وإذا أخذوا المال ولم يقتلوا قطعت أيديهم وأرجلهم من خلاف وإذا أخافوا السبيل ولم يأخذوا مالا نفوا من الأرض".

دوسری بات یہ ہے کہ جرم جتنا سنگین ہو سزا اتنی ہی سنگین ہونی چاہیے، اور جرم جتنا ضعیف ہو سزا بھی اتنی ہی ضعیف ہونی چاہیے؛ "إذ ليس من الحكمة أن يسوى في العقوبة مع اختلاف الجناية"، یعنی اختلاف جرائم کے باوجود ایک ہی سزا تجویز کرنا حکمت کے خلاف ہے۔

ڈاکہ زنی کے تحقق کے لئے احناف اور حنابلہ کے نزدیک ڈاکوؤں کا مسلح ہونا ضروری ہے، حضرات شوافع و مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''نفی'' سے مراد یہ کہ اسے دار الاسلام سے نکال دیا

جائے۔جواب یہ ہے کہ اس میں تحریض علی الکفر ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسے دربدر کیا جائے، جواب یہ ہے کہ اس صورت میں فساد ہے۔

یَسْتَقُوْنَ وَلَا یُسْقَوْنَ: باب کی تیسری حدیث میں ہے۔

اشکال: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس شخص کو قتل ہونا لازم ہو چکا ہو اسے پانی سے محروم نہ کیا جائے، تاکہ دو سزائیں ایک ساتھ جمع نہ ہوں، پھر "فلا یستقون" کا کیا معنی؟ اس کے جواب میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ جب آپ نے سکوت فرمایا تو یہ اجازت ہوگئی۔

۲۔علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا جرم شدید تھا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بددعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پیاسا کرے جنہوں نے آل محمد کو پیاسا کیا: "عطش اللّٰه من عطش آل محمد اللیلة"، کیونکہ ان اونٹنیوں کا دودھ آپ کے لئے لایا جاتا تھا۔

۴۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصا ایسا کیا۔

المُوْمُ: بمعنی برسام، امام نووی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتورِ عقل، یا سر میں ورم، یا سینے میں درد کا مرض ہے۔

باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر وغيره

پتھر وغیرہ سے قتل کرنے کی صورت میں ثبوت قصاص کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک

یہودی نے ایک لڑکی کو چند چاندی کے ٹکڑوں کے لئے پتھر سے مار ڈالا، چنانچہ اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اس میں کچھ جان باقی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا، کیا تجھے فلاں نے مارا ہے؟ اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر دوبارہ فرمایا کہ تجھے فلاں نے مارا ہے؟ اس نے پھر سر سے اشارہ کیا کہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ تجھے فلاں نے مارا ہے۔ وہ بولی: ہاں اور اپنے سر سے اشارہ کیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دو پتھروں سے کچل کر مار ڈالا۔

شرح حدیث

أوضاح: "وضح" کی جمع ہے، چاندی کے زیورات کو کہتے ہیں۔

وہ قتل جن سے قصاص، دیت، کفارہ، یا حرمان من المیراث جیسے احکام متعلق ہوتے ہیں، پانچ قسم پر ہیں۔

۱۔ قتل عمد: کوئی شخص کسی کو قصداً، ارادۃً، ہتھیار یا قائم مقام ہتھیار سے قتل کر ڈالے، جیسے بندوق، تلوار یا بانس کا چھلکا وغیرہ، تو (دنیاوی حکم) اس کا یہ ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، اگر قاتل نے اولیائے مقتول سے صلح کر کے مال دینا چاہا یا انہوں نے معاف کر دیا تو بھی ٹھیک ہے۔

قتل عمد میں ہمارے نزدیک کفارہ نہیں، خلافاً للشافعی

اخروی حکم: "فجزاء ہ جھنم خالدا فیھا" "خلوفی النار" سے مراد طویل زمانہ ہے۔

۲۔ شبہ عمد: قاتل مقتول کو کسی ہتھیار یا قائم مقام ہتھیار کے علاوہ کسی اور چیز سے قتل کرے، جو قتل کے لئے موضوع نہ ہو، جیسے: پتھر یا بڑی لکڑی وغیرہ۔

یہ تعریف امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں حجر عظیم یا خشب عظیم سے قتل کرنا قتل عمد ہے، اسے قتل بالمثقل بھی کہتے ہیں اور تلوار سے قتل کو قتل بالمحدد

بھی کہتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک شبہ عمد کسی کو ایسی چیز سے قتل کرنا ہے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا، جیسے چھوٹا پتھر، وغیرہ

اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ہے، اس پر دیت واجب اور کفارہ لازم ہوتا ہے اور قاتل اگر مقتول کا وارث ہے تو میراث سے بھی محروم ہوگا۔

۳۔ قتل خطاء، اس کی دو قسمیں ہیں۔ خطاء فی الظن، یا خطاء فی القصد اور خطاء فی الفعل۔

خطاء فی الظن کی تعریف: ایک شخص نے دوسرے کو شکار یا حربی کافر سمجھ کر تیر مارا، مگر وہ مسلمان نکلا۔

خطاء فی الفعل کی تعریف یہ ہے کہ کسی شکار کو تیر مارا، لیکن وہ کسی انسان کو جا لگا، اس کا حکم شبہ عمد کی طرح ہے۔

۴۔ شبہ خطاء کی تعریف: سویا ہوا آدمی کسی دوسرے پر جا گرا اور وہ مر گیا، اس کا حکم بھی ماقبل کی طرح ہے۔

۵۔ قتل سبب کی تعریف: کسی شخص نے حکومت وقت کی اجازت کے بغیر کسی راستے میں کنواں کھودا اور کوئی اس میں گر کے مر گیا، یا کوئی رکاوٹ کھڑی کر دی اور کوئی اس سے ٹکرا کر گرا اور ہلاک ہو گیا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر دیت لازم ہوگی۔

اختلافی مسئلہ

موجب قصاص کون سا قتل ہے؟ امام صاحب، سعید بن المسیب، حسن بصری، شعبی، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قتل بالمحدد موجب قصاص ہے اور قتل بالمثقل عمد بھی نہیں اور موجب قصاص بھی نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ، صاحبین، ابراہیم نخعی، ابن سیرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قتل بالمثقل عمد بھی ہے اور موجب قصاص بھی ہے۔ ان حضرات کی ایک دلیل حدیث الباب ہے، دوسری دلیل صحیحین میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "من قتل له قتيل فهو بخير النظرين إما أن يُودَىٰ وإما أن يُقَادَ". اس روایت میں کوئی تفصیل نہیں کہ وہ قتل بالمحدد ہو، یا بالمثقل۔

امام صاحب ومن وافقہم کے دلائل

۱۔ امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے: "ألا إنَّ ديةَ الخطإِ شبهِ العمد ما كان بالعصا مائة من الإبل منها أربعون في بطونها أولادُها".

۲۔ ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ کے خطبے سے نقل کرتے ہیں: "ألا إن دية الخطاء شبه العمد ما كان بالسوط أو العصا مائة من الإبل".

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳۔ ابن ماجہ میں ابوبکرہؓ سے روایت ہے: "لاقود إلا بالسيف".

اس کے دو مطلب ہیں: ا۔ قصاص تلوار سے لیا جائے گا، ۲۔ قصاص تب لیا جائے گا جب قاتل نے تلوار سے قتل کیا ہو، یہاں معنی ثانی مراد ہے۔

٤۔ عن عليؓ: "لا قود إلا بالأسل". ابن قتيبة

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: "لاقود إلا بحديدة".

٦۔ وفيه أيضا: "إنما القود بالسيف".

حدیث الباب سے استدلال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ قتل تعزیراً وسیاسۃ تھا، نہ کہ قصاصاً۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ قتل قصاصاً تھا، تو ان روایات کی بناء پر منسوخ ہے جو ہم

نے ذکر کیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت موجب قصاص ہے کہ جب قاتل نے ہر حال میں مقتول کی روح نکالنے کا عزم کیا ہو۔

فأشارت برأسها: اشارہ سے حکم ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

امام مالکؒ، شافعیؒ اور لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر اشارے سے حاضرین کی سمجھ میں بات آجائے تو حکم ثابت ہوتا ہے، ان کا مستدل حدیث الباب ہے۔ امام صاحب، امام احمد اور سفیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اشارے سے حکم ثابت نہیں ہوتا۔ حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ جاریہ کے اشارے پر نہیں، بلکہ یہودی کے اعتراف اور اقرار پر اسے قتل کیا گیا، جیسا کہ باب کی آخری حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حکم اشارے سے نہیں، بلکہ جاریہ کے قول ''نعم'' سے ثابت ہوا ہے۔

فقتله رسول الله: قصاص بالمثل کا کیا حکم ہے؟

امام صاحب، امام احمد، سفیان ثوری اور عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل سے قصاص تلوار کے ذریعے لیا جائے گا، یا جو تلوار کے قائم مقام ہو، خواہ قاتل نے کسی بھی طریقہ سے قتل کیا ہو۔

امام مالک، شافعی، قتادہ اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل سے قصاص بالمثل لیا جائے گا، البتہ اگر قاتل نے مقتول کو فعل معصیت سے قتل کیا ہے تو اس صورت میں قصاص بالسیف لیا جائے گا، مثلاً شراب پلا کر، یا زنا، یا لواطت کے ذریعہ قتل کیا ہو۔

عند البعض اگر قاتل نے شراب پلا کر قتل کیا ہے تو اسے پانی پلا پلا کر قتل کیا جائے گا۔ ''ومن أتى رجلا في دبره وقتله باللواطة يدخل خشبة في دبره حتى مات''.

امام مالک ومن وافقہ کی دلیل قرآن کریم کی آیت: ﴿فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم﴾ وقوله تعالیٰ: ﴿وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به﴾ وقوله تعالیٰ: ﴿وجزاء سیئة سیئة بمثلها﴾. ان آیات سے قصاص بالمثل کا ثبوت ہوتا ہے۔

دوسری دلیل حدیث الباب ہے، تیسری دلیل بیہقی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "ومن عرّض عرّضنا له ومن حرّق حرقناه ومن غرّق غرّقناه".

کہ جس نے ہمارا نشانہ لیا ہم اس کا نشانہ لیں گے، جس نے ہمیں جلایا ہم اس کو جلائیں گے اور جس نے ہمیں پانی میں غرق کیا ہم اسے پانی میں غرق کریں گے۔

احناف ومن وافقہم بھی قرآن کریم کی انہی آیات سے استدلال کرتے ہیں اور مراد نفس قتل میں مساوات لیتے ہیں، نہ کہ خاص اس طریقہ میں مساوات جس طریقے سے قاتل نے قتل کیا ہے، کیونکہ یہ ممکن بھی نہیں، کیونکہ بعض آدمی ایک پتھر کی ضرب سے مر جاتے ہیں اور بعض متعدد ضربات سے بھی نہیں مرتے۔

دوسری دلیل حدیث ہے: "لا قود إلا بالسیف".

یہ مستدل اس مسئلہ میں معنی اول کے اعتبار سے ہے، کما أسلفنا.

اگر قصاص بالمثل کا قول کیا جائے تو مساوات کا تحقق مشکل ہے، حدیث الباب کا امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ یہ منسوخ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ جزئیہ ہے اور ہمارا مستدل اصول کلی ہے، لہذا یہ راجح اور وہ مرجوح ہے۔ "والمرجوح لایزاحم الراجح".

تیسرا جواب یہ ہے کہ "لاقود إلا بالسیف" یہ حدیث قولی ہے اور حدیث

الباب فعلی ہے اور ان دونوں میں ''قول'' کو ترجیح ہوتی ہے۔

علامہ عینیؒ، سرخسیؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تلوار ہی متعین نہیں، بلکہ مراد اس سے ہتھیار ہے اور قصاص بالسیف سے مقصود یہ ہے کہ قاتل کو عمدہ طریقہ سے قتل کیا جائے، جو چیز ازہاقِ روح میں سریع الاثر ہو، اسی سے قصاص لیا جائے گا، کما قال علیہ السلام: "إذا قتلتم فأحسِنُوا القِتْلَةَ" یہی وجہ ہے کہ اگر برقی کرسی پر بٹھا کر یا سریع الاثر زہریلا انجکشن لگا کر قصاص لیا جائے تو بھی جائز ہے۔ پھانسی کی سزا جائز تو ہے، لیکن اولیٰ نہیں، کیونکہ اس میں قاتل کو زیادہ تکلیف ہے۔

باب الصائل علىٰ نفس الإنسان أو عضوه ....إلخ

انسان کی جان یا اس کے کسی عضو پر حملہ آور ہونے والے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یعلی بن منیہ یا یعلی بن امیہ ایک شخص سے لڑے، پھر ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ کو دانتوں سے دبایا، اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ میں سے کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت نکل پڑے، دونوں جھگڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس طرح کاٹتے ہو جیسا کہ اونٹ کاٹتا ہے، اس میں دیت نہیں ملے گی۔

شرح حدیث

"يعلىٰ بن منية أو ابن أمية": یعلیٰ یہ صحابی ہیں، منیہ ان کی والدہ یا دادی کا نام ہے اور امیہ ان کے والد کا نام ہے۔

"رجلا" کا مصداق خود ان کے اپنے اجیر ہیں اور صائل حضرت یعلیٰ ہیں۔

"فنزع ثَنِيَّتَهُ" ابن مثنیٰ کی روایت میں "ثَنِيَّتَيْهِ" ہے اور بخاری کی روایت میں "ثنایاہ" کا ذکر ہے، فوقع التعارض۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ تثنیہ پر جمع کا اطلاق ہوتا ہے اور مفرد کی روایت جنس پر محمول ہے، یا عدد اقل اکثر کے منافی نہیں۔ بعض حضرات نے اسے تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے، لیکن یہ ضعیف ہے۔

"لا دية لــــه": اگر کسی شخص نے اپنے صائل کو قتل کیا یا زخمی کیا تو کوئی دیت یا قصاص واجب نہیں ہے، "لقوله عليه السلام: ((قاتل دون نفسك ومالك))" کہ اپنے جان اور اپنے مال کی خاطر لڑو۔

"اِدفَعْ يَدَكَ حَتّىٰ يَعضَّهَا": یہ جملہ باب کی پانچویں حدیث میں ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ امر نہیں، بلکہ انکار ہے۔

باب إثبات القصاص في الأسنان وما في معناها

دانتوں اور اس جیسے اعضاء میں قصاص کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع کی بہن ام حارثہ رضی اللہ عنہا نے ایک انسان کو زخمی کیا (اس کا دانت توڑ ڈالا)، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ جھگڑا پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصاص لیا جائے گا۔ ام ربیع نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا فلاں سے قصاص لیا جائے گا، بخدا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! ام ربیع کتاب اللہ قصاص کا حکم کرتی ہے، وہ بولیں کہ نہیں خدا کی قسم! اس سے کبھی قصاص نہیں لیا جائے گا،

چنانچہ ام ربیع رضی اللہ عنہا یہی کہتی رہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ دیت لینے پر راضی ہو گئے، تب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

شرح حدیث

"لا واللّٰہ لا یقتص منہا أبدا": نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے باوجود ام ربیع کا یہ جملہ بطور اعتراض یا انکار کے نہیں تھا، بلکہ یہ ان کا اللہ رب العزت پر انتہائی درجہ کا توکل اور اعتماد تھا کہ اللہ پاک ضرور ان کے دل میں معافی یا قبول دیت کی بات ڈال دیں گے اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "إن من عباد اللّٰہ ......" إلخ سے بھی ہوتی ہے۔

یہاں مسلم اور بخاری کی روایات میں تعارض ہے۔ مسلم کی روایت میں ''جانیہ'' (جنایت کرنے والی) اخت الربیع ہیں اور بخاری کی روایت میں ''جانیہ'' خود ربیع ہیں، مسلم کی روایت میں ''جرح'' کا ذکر ہے، جب کہ بخاری کی روایت میں ''کسر ثنیہ'' کا ذکر ہے۔ مسلم کی روایت میں ''حالف اُم ربیع'' ہیں، جب کہ بخاری کی روایت میں ''حالف اُنس بن نضر'' ہیں۔

علامہ عینی، نووی، کرمانی رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دو واقعہ ہیں، تفصیل یہ ہے کہ ایک واقعہ میں جانیہ اخت ربیع اور حالفہ ام ربیع ہیں اور یہ واقعہ جرح پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرے واقعے میں جانیہ ربیع اور حالف انس بن نضر ہیں اور اس میں کسر کا ذکر ہے۔

"جرحت إنسانا ......": حدیث پاک کے اس ٹکڑے سے جمہور ائمہ امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعی رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جیسے قتل نفس میں **عورت کو مرد** کے بدلے میں اور مرد کو عورت کے بدلے میں قصاصاً قتل کیا جائے گا، ایسے ہی **اعضاء**

میں مساوات ہوگی اور قصاص لیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں مذکور لفظ ''انسان'' سے متبادر یہی ہے کہ وہ مرد تھا، جب کہ احناف قتل نفس میں تو قصاص کے قائل ہیں، مگر اطراف اور اعضاء میں قصاص کے قائل نہیں، (جس کی تفصیل اگلے عنوان کے تحت آرہی ہے)، البتہ حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح قتل نفس میں بھی مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے قائل نہیں اور ان کے نزدیک عورت کو مرد کے بدلے یا مرد کو عورت کے بدلے قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

قصاص فی الاطراف کا مسئلہ

ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص فی الاطراف جاری ہوتا ہے اور ان کا مستدل حدیث الباب ہے۔ امام صاحب مرد اور عورت کے درمیان برابری اور مساوات کے قائل نہیں، اس لئے کہ اطراف میں برابری اور مساوات کا اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ کامل اور ناقص، صحیح اور شل میں قصاص جاری نہیں ہوتا اور ظاہر ہے مرد اور عورت کے اعضاء میں فرق ہے۔ باقی حدیث الباب میں انسان کا ذکر ہے اور اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے اور یہ کہاں سے ثابت ہے کہ وہ انسان مرد تھا؟ اجب کہ یہ ضرور ہے کہ بخاری کی روایت سے اس کا جاریہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

باب ما يباح به دم المسلم

وہ اسباب جن کی وجہ سے مسلمان کا خون گرانا جائز ہو جاتا ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسلمان کا خون حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، مگر تین باتوں میں سے ایک کی

بناء پر، ایک یہ کہ نکاح کے بعد زنا کرے، یا جان کے بدلے جان، یا اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے جدا ہو جائے۔

شرح حدیث

"النفس بالنفس": مسلمان کو حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، یہ مسئلہ اتفاقی ہے، اختلاف ذمی میں ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو ذمی کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

احناف، ابراہیم نخعی، اوزاعی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو بدلے میں اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

مانعین کے دلائل

بخاری شریف میں ابوجحیفہ کی روایت ہے: "أن لا یقتل مسلم بکافر......" یہ مطلق ہے، "والمطلق یجري علیٰ إطلاقه"، لہٰذا کسی بھی کافر (خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو) کے بدلے میں مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

احناف کی ایک دلیل حدیث الباب ہے، البتہ کافر حربی اس سے مستثنیٰ ہے۔ دوسری دلیل بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "إن رسول الله صلی الله علیه وسلم قتل مسلما بمعاهد وقال : أنا أکرم من وَفَیٰ بذمته" کہ میں ایسے شخص کا زیادہ حق دار اور اس کا حامی ہو جس نے اپنے عہد کو پورا کیا۔

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور کافر کا فرد کامل حربی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن راجح یہ ہے کہ مرتدہ کو بھی قتل کیا جائے گا۔

باب بيان إثم من سنّ القتل

قتل کی بنیاد رکھنے والا کے گناہ کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی ناحق خون ہوتا ہے تو آدم کے بیٹے (قابیل) پر ایک حصہ اس کے خون کا پڑتا ہے، کیونکہ اس نے سب سے پہلے اس قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔

شرح حدیث

"ابن آدم الأول": اس کا نام قابیل ہے، جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔

قابیل کی جڑواں بہن کا نام اقلیما تھا، جس سے نکاح کی خاطر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔

"كفل من دمها": ''کفل'' حصہ کو کہتے ہیں۔

قتل کا گناہ، جیسا کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: "من سنّ في الإسلام سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة، ومن سنّ في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها إلىٰ يوم القيامة'' یہ ہے کہ جو کوئی نیکی کے کام کی ریت ڈالتا ہے تو قیامت کے دن تک اس شخص کو اس کے عمل کا بھی اجر ملتا ہے اور ان سب لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے جو اس نیکی پر عمل کرتے ہیں، ایسا ہی معاملہ برائی کا بھی ہے، لہذا جو کوئی شخص برائی کی ریت ڈالتا ہے تو اس کو قیامت کے روز اپنے عمل کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے گا اور ہر اس شخص کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا جنہوں نے اس برائی کو اختیار کیا۔

باب المحازاة بالدماء في الآخرة و...... إلخ

بروز قیامت خون کا بدلہ لئے جانے کا بیان اور یہ ہے کہ سب سے پہلے خون ہی کا حساب ہوگا

ترجمۂ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خون کے کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

شرح حدیث

اشکال: جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة صلاته"، کہ سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، جب کہ حدیث الباب میں خون (قتل) کا ذکر ہے، فوقع التعارض۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ منہیات میں سب سے پہلے قتل کے بارے میں اور مامورات میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سے پہلے قتل کا حساب ہوگا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام اسلوب الحکیم کے قبیل سے ہے، جس شخص میں جس چیز کی کمی دیکھی اسی کے بارے میں اسے ڈرایا۔

باب تغلیظ تحریم الدماء والأعراض

خون گرانے اور عزت واموال کو پامال کرنے کی شدید حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر ویسا ہی ہوگیا جیسا کہ اس دن تھا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔ تین مہینے تو متواتر ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کا مہینہ جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے''۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ کونسا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ خاموش ہوگئے، حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس مہینہ کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے، پھر فرمایا: ''کیا یہ مہینہ ذی الحج نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: جی۔ پھر ارشاد فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ خاموش ہوگئے، حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ بلدۃ (الحرام، مکہ مکرمہ) نہیں؟ ہم نے کہا: جی یہ بلدۃ الحرام ہی ہے۔ فرمایا کہ آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ کہیں آپ اس کا کوئی دوسرا نام نہ رکھ لیں۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی یہ یوم النحر ہی ہے۔ فرمایا: تو تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں، جیسا کہ تمہارا یہ دن حرام ہے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں، اور عنقریب تم اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا، لہذا میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ خبردار جو اس جگہ موجود ہے وہ یہ حکم غائب

تک پہنچادے، کیونکہ بعض وہ شخص جسے یہ حکم پہنچایا جائے گا وہ اس کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہے بعض اس شخص سے کہ جس نے اسی وقت اسے سنا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آگاہ ہوجاؤ، میں نے حکم الٰہی پہنچادیا ہے۔

''زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی ڈگر پر آگیا''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب جب جدل وقتال کا ارادہ کرتے تو وہ محرم کے مہینے کو مؤخر کر کے اس کی جگہ صفر کو لے آتے اور اس مہینے میں قتال کا میدان گرم کردیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع فرمایا تو اس وقت مہینے اپنی جگہ پر آچکے تھے، اسی لئے آپ نے فرمایا: "إن الزمان قداستدار" إلخ.

"أربعة حرم":

عرب میں زمانہ قدیم سے یہ چار مہینے حرمت والے سمجھے جاتے تھے، ان کی حرمت کے پیش نظر لوٹ مار، قتل وقتال، غارتگری سب موقوف ہوجاتا، حتی کہ کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہیں کرتا تھا، یہی چار مہینے ملت ابراہیمی میں بھی قابل تعظیم تھے، لیکن زمانہ اسلام سے کچھ عرصہ قبل جب ظلم وبربریت اور جارحیت کی انتہاء ہوئی تو انہوں نے نئی رسم نکالی، کیونکہ وہ لوگ کسی قانون کے پابند نہ تھے۔ جو طاقتور قبیلہ سے ہوتا تو اس کا سردار موسم حج میں یہ اعلان کرتا کہ اس سال ہم نے محرم کو حلال قرار دے کر اس کی جگہ صفر کو رکھا ہے، ایسا ہر سال ہوا کرتا تھا۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ طریقے پر ردوبدل صرف محرم اور صفر میں ہوا کرتا تھا، محمد بن اسحاق کے بقول رسم نسی کو سب سے پہلے اختیار کرنے والا شخص قلمس کنانی تھا،

پھر یہ رسم ان کی اولاد میں جاری رہی، یہاں تک کہ یہ کام ابوثمامہ کنانی کے سپرد ہوا، وہ ہر سال موسم حج میں یہ اعلان کرتا اور عموما لوگ اس تبدیلی کو قبول کر لیتے۔

اشہر حرم میں قتال کا حکم

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت: ﴿یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه﴾ [البقرة: ۲۱۷] کی رو سے اشہر حرم میں قتال حرام ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباحؒ نے مجھے قسم کھا کر کہا کہ لوگوں کے لئے حرم اور اشہر حرم میں قتال جائز نہیں الا یہ کہ ان سے قتال کیا جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر حرام میں جہاد نہیں فرماتے تھے، الا یہ کہ آپ سے لڑائی کی جاتی، یعنی کفار حملہ آور ہوتے۔ جب شہر حرام آتا تو آپ قتال سے رک جاتے، یہاں تک کہ وہ گزر جاتا۔

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ شہر حرام میں قتال جائز ہے، بعض حضرات ﴿فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾ کی بنیاد پر ﴿قل قتال فيه كبير﴾ کو منسوخ مانتے ہیں، اسی طرح "فقاتلوا أئمة الكفر" میں "شہر دون شہر" کی کوئی قید نہیں۔

"ورجبُ شهرُ مضرَ": رجب کی نسبت مضر کی طرف یا تو اس لئے کی گئی کہ مضر اس مہینے کا زیادہ احترام کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ کہ مضر اور ربیعہ کے درمیان رجب میں اختلاف تھا، ربیعہ رمضان کو رجب قرار دیتے تھے، جب کہ مضر جمادی اور شعبان کے درمیان والے مہینے کو رجب قرار دیتے تھے، تو گویا آپ نے فرمایا کہ صحیح رجب "مضر" کا ہے۔

"الله ورسوله أعلم": یہ صحابہ کرام کی غایت درجے کی عجز و انکساری تھی کہ انہوں نے آفتاب نبوت کے سامنے اپنے علم کا اظہار نہیں کیا۔

"فسكت": آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت میں یہ حکمت تھی کہ تمام سامعین آپ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہوکر آپ کی بات سن کر کامل طور سے سمجھ سکیں۔

"فلاترجعن بعدي كفارا": اس کی شرح میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ میرے بعد قتل کا استحلال کر کے کافر نہ ہو جانا۔

۲۔ بلاتحقیق بغیر کسی دلیل شرعی کے مغلوب الغضب ہوکر کسی کے قتل کو جائز نہ سمجھنا۔

۳۔ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری مت کرنا۔

۴۔ یہ فعل (قتل) تمہیں کفر کی طرف نہ لے جائے، کیونکہ جو شخص کبائر کا عادی ہو جائے، خدشہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔

"قعد على بعيره": باب کی حدیث ثانی میں ہے، اس سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ بوقت ضرورت سواری کی پشت پر بیٹھ کر گفتگو جائز ہے، یہ "لاتتخذوا ظهور دوابكم منابر" کے خلاف نہیں۔

۲۔ خطیب کو ایسی نمایاں جگہ پر بیٹھنا چاہیے کہ سامعین اسے اچھی طرح دیکھ سکیں اور احسن طریقے سے اس کی بات سن سکیں۔

۳۔ جو چیز حرام ہو تو عالم بالحرام کو اس کی حرمت مؤکد طریقے سے بیان کرنا چاہیے۔

باب صحة الإقرار بالقتل والقصاص

قتل کا اقرار صحیح ہے اور قصاص واجب ہے

ترجمۂ حدیث: علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ کے والد نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک شخص دوسرے کو تسمہ سے کھینچتا ہوا آیا

اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اسے قتل کر دیا ہے؟ وہ بولا: اگر یہ اقرار نہیں کرے گا تو میں اس پر گواہ لاؤں گا، تب وہ بولا کہ بے شک میں نے اسے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اسے کیوں قتل کیا ہے؟ وہ بولا کہ میں اور یہ درختوں کے پتے جھاڑ رہے تھے، اتنے میں اس نے مجھے گالی دی، مجھے غصہ آیا، میں نے کلہاڑی اس کے سر پر مار دی، وہ مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے جو اپنی جان کے عوض دے دے۔ وہ بولا کہ میرے پاس کچھ نہیں، سوائے اس کمبلی اور کلہاڑی کے۔ آپ نے فرمایا: تیری قوم کے لوگ تجھ کو چھڑا لیں گے؟ وہ بولا میری قوم میں میری اتنی وقعت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تسمہ مقتول کے وارث کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: اسے لے جاؤ، وہ لے کر چل دیا، جب اس نے پشت پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ اس کو قتل کرے گا تو اسی کی طرح ہو جائے گا، یہ سن کر وہ لوٹا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں اسے قتل کروں گا تو میں اسی کے برابر ہوں گا اور میں نے تو اسے آپ کے حکم سے پکڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو یہ نہیں چاہتا کہ وہ تیرا اور تیرے ساتھی کا بھی گناہ سمیٹ لے۔ وہ بولا: یا نبی اللہ! ایسا ہوگا؟ فرمایا: ہاں، وہ بولا: اگر ایسا ہے تو اچھا ہے اور اس کا تسمہ پھینک دیا اور اسے چھوڑ دیا۔

لغات

"نسعة": بالوں سے بٹی ہوئی رسی۔ "الفأس": کلہاڑی۔

"قرن" سے جانب الرأس یا أعلیٰ الرأس مراد ہے۔

"تودیه" : جو تم دیت کی مد میں ادا کرو۔ "دیة" "عدة" کی طرح مصدر ہے، بمعنی خون بہا دینا اور اصطلاحاً: وہ مال جو کسی مقتول کے خون کے بدلے میں ادا کیا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک نصاب دیت تین چیزیں ہیں۔

۱۔ سو اونٹ، ۲۔ ایک ہزار دینار، ۳۔ دس ہزار درہم

امام شافعیؒ کے نزدیک نصاب دیت سو اونٹ، ایک ہزار دینار، بارہ ہزار درہم، دو سو جوڑے، دو سو بھینس، ایک ہزار بکریاں، یہی قول صاحبین کا ہے۔ ان چیزوں کے بدلے میں اگر قیمت دی دی جائے تو بالاتفاق جائز ہے۔

"هل لك من شيء تؤديه": حدیث پاک کے اس ٹکڑے سے احناف، امام مالک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ استدلال کرتے ہیں کہ دیت کی ادائیگی میں قاتل کی رضامندی بھی شرط ہے، اگر ولی مقتول دیت کے وصول کرنے میں مستقل بنفسہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل سے سوال نہ فرماتے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کہ مقتول کے ولی کو قصاص اور دیت کے درمیان اختیار ہے، اگر وہ دیت کو اختیار کرے تو قاتل کو دیت دینی پڑے گی، اگر چہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔ ان کا مستدل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ہم "باب ثبوت القصاص في القتل" میں نقل کر چکے ہیں۔

احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہاں بھی دیت کی وصولی صلح اور قاتل کی رضامندی کے ساتھ مراد ہے، پھر دیت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ مغلظہ، ۲۔ مخففہ

دیت مغلظہ کی شبہ عمد کی صورت میں ادائیگی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

امام صاحب، امام مالک، امام ابو یوسف اور امام احمد فی روایۃ فرماتے ہیں کہ یہ سو اونٹ ارباعاً ادا کئے جائیں گے، یعنی پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے اور پچیس جذعے۔

امام شافعی، امام محمد اور امام احمد فرماتے ہیں کہ دیت مغلظہ میں سو اونٹ اثلاثا ادا کیے جائیں گے، یعنی تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس ثنیہ (جو کہ حاملہ ہوں)۔

ان حضرات کا متدل مؤطا میں عمرو بن شعیب عن ابیہ کے طریق سے مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قاتل سے دیت میں تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس ثنیہ لئے تھے۔

احناف کی دلیل عمرو بن حزم کی روایت ہے، جس میں ہے: "وإن في نفس المؤمن مائة من الإبل" کہ مسلمان کے خون کی دیت سو اونٹ ہے، (رواہ ابن حبان)، اس کی تفصیل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے احناف کے قول کی مثل منقول ہے، اب اگر چہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جو موقوف ہے، مگر وہ بھی مرفوع کے حکم میں ہوگا، کیونکہ اس کا تعلق مقادیر کے ساتھ ہے اور مقادیر کا علم رائے سے نہیں ہوسکتا، بلکہ صرف شرع ہی سے ممکن ہے، چنانچہ اصول ہے: "المقادير لاتعرف إلا بالشرع".

دیت مخففہ: یعنی وہ دیت جو سونے چاندی کی شکل میں ادا کی جائے، قتل خطا، شبہ خطا اور قتل بالسبب کی بناء پر، لیکن اگر مخففہ میں اونٹ دیئے جائیں تو ان کی ادائیگی اخماسا ہوگی، یعنی بیس بنت مخاص، بیس بنت لبون، بیس ابن مخاض، بیس حقے اور بیس جذعے۔ یہی تفصیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی کے قائل امام مالک، امام شافعی ہیں، الا یہ کہ وہ ابن مخاض کی جگہ ابن لبون کے قائل ہیں۔

دراہم کے ذریعے اگر دیت کی ادائیگی کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار درہم ادا کیے جائیں گے۔ ان کا متدل بیہقی میں محمد بن الحسن کی روایت ہے:

"بلغنا عن عمر أنه فرض على أهل الذهب في الدية ألف دينار ومن الورق عشرة آلاف درهم".

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے سے دیت ادا کرنے کی صورت میں ہزار دینار اور دراہم سے دیت ادا کرنے کی صورت میں دس ہزار دراہم متعین کئے۔

حضرات شوافع بارہ ہزار دراہم کے قائل ہیں۔ ان کا مستدل سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "أن رجلا من بني عدي قتل فجعل النبي صلى الله عليه وسلم ديته اثني عشر ألفا".

درحقیقت اس وقت دراہم کے دو وزن رائج تھے۔ ایک وزن دس دراہم سات مثقال سونے کے برابر تھا، دوسرا وزن دس دراہم، چھ مثقال سونے کے برابر تھا۔ احناف نے اول اور شوافع نے ثانی کا اعتبار کیا ہے اور مذکورہ اسی بنیاد پر ہے۔ صاحبِ نہایہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں وزن ستہ کو ختم فرما دیا تھا۔

"إن قتله فهو مثله": یہاں اشکال ہوتا ہے کہ قاتل اور ولی مقتول کیسے برابر ہو سکتے ہیں، قاتل نے ناجائز کام کیا، جب کہ ولی مقتول جائز کام کر رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ولی مقتول نے قاتل کو معاف نہ کر کے کوئی فضیلت حاصل نہیں کی، اس لئے دونوں ایک جیسے ہو گئے، یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ نفس قتل میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

"القاتل والمقتول في النار": باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ قاتل کا آگ میں جانا تو ظاہر ہے، لیکن مقتول کیوں؟ تو جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا تھا کہ وہ مستحق نار ہے۔

۲۔ یا اس سے مراد ولی قصاص (قاتل) اور مقتول (سابق قاتل) ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی قصاص سے معافی کے متعلق فرمایا، لیکن اس نے انکار کیا۔

۳۔ اس سے یہ قاتل اور مقتول مراد نہیں، بلکہ معصیت پر لڑنے والے مراد ہیں اور ایسا آپ نے تعریضاً فرمایا۔

باب دية الجنين ......إلخ

عورت کے پیٹ میں موجود بچے کی دیت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں اور ایک نے دوسری کو مارا، اس کا بچہ گر پڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غلام یا لونڈی دینے کا حکم فرمایا۔

شرح حدیث

"امرأتين": یہ عورتیں کون تھیں؟ اس حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف روایات کو جمع کیا۔ طبرانی میں اسامہ بن عمر ہذلی کی روایت ہے: "كان فينا رجل يقال له حمل بن مالك، له امرأتان إحداهما هذلية والأخرى عامرية". ابوالملیح کی مرسل روایت ہے: "أن حمل بن النابغة كانت له امرأتان مليكة وأم عفيف".

طبرانی میں عون بن عویم کے طریق سے روایت ہے: "كانت أختي مليكة وامرأة منا يقال لها أم عفيف بنت مسروح تحت حمل بن النابغة، فضربت أم عفيف مليكة من هذيل". باب کی اگلی روایت میں ہے: "من بني لحيان". حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لحیان" ہذیل کی شاخ ہے۔

"جنينها": "حمل المرأة ما دام في بطنها سمي بذلك لاستتاره.

جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کو "جنین" کہتے ہیں۔ اس کو "جنین" کہنے کی وجہ اس کا ماں کے پیٹ میں مستور اور چھپا ہوا ہونا ہے، کیونکہ اس لفظ کا مادہ مستور چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

"بغرة" راجح، بلکہ ارجح تنوین کے ساتھ ہے۔ "عبد أو أمةٍ" بدل ہے۔

ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الغرة عبد أبيض أو أمة بيضاء".
کہ غرة سفید غلام یا باندی کو کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تطلق الغرة على الشيء النفيس آدميا كان أو غيره ذكرا كان أو أنثى".

کہ غرة کا اطلاق نفیس چیز پر ہوتا ہے، خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان، مذکر ہو یا مؤنث۔

عبدٍ أو أمةٍ: حدیث الباب سے استدلال کرتے ہوئے جمہور فرماتے ہیں کہ جنین کی دیت ایک غلام یا باندی ہے۔ طاؤس بن کیسان فرماتے ہیں کہ فرس بھی ''غرة'' میں داخل ہے۔ ان کی دلیل ابوداؤد میں ابو ہریرة رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم في الجنين بغرة عبدٍ أو أمةٍ أو فرس أو بغل".

جواب یہ ہے کہ اس روایت میں ''فرس'' کا ذکر عیسیٰ بن یونس کا وہم ہے، یا ہوسکتا ہے ''غرة'' کی تفسیر ''فرس'' کے ساتھ طاؤس نے کی ہو اور کسی راوی نے وہم کی وجہ سے اسے حدیث میں شامل کر دیا، اس احتمال کی تائید بیہقی کی روایت سے ہوتی ہے:"أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه سأل الناس عن الجنين فذكر الحديث. قال: فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم في الجنين غرةً. وقال طاؤس: الفرس غرة".

بیہقی کی روایت سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ امام طاؤس رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔

پھر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غرہ کی قیمت دیت کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے اور وہ پانچ اونٹ ہے، لیکن یہ دیت اگر دراہم یا دنانیر کی صورت میں ہو تو پھر اس کی کیا مقدار ہوگی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ پانچ سو دراہم یا پچاس دینار ادا کئے جائیں

گے۔حضرات مالکیہ اور شوافع کے نزدیک چھ سو دراہم یا پچاس دینار ادا کئے جائیں گے۔
ان حضرات کا مستدل مؤطا امام مالک میں ربیعہ الرائے کا قول ہے: "الغرة تقوم خمسين دينارا أو ست مائة درهم".

احناف کا مستدل ''ابوالملیح عن أبیہ'' کے طریق سے مروی روایت ہے جس میں ہے: "فيه غرة عبد أو أمة أو خمس مائة". احناف کی دلیل حدیث مرفوع ہے، جب کہ مالکیہ کی دلیل ربیعہ کا قول ہے: "وهو لا يقاوم المرفوع"، یا یوں کہا جائے کہ احناف نے وزن سبعہ کا، جب کہ دیگر نے وزن ستہ کا اعتبار کیا۔

"إن المرأة التي قضى عليها بغرة توفيت": اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انتقال جانیہ کا ہوا اور اگلی روایت "قتلتها وما في بطنها" سے پتہ چلتا ہے کہ انتقال مجنی علیہا کا ہوا تھا، بظاہر ان میں تعارض ہے۔علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ "التي قضى عليها" سے "التي قضي لها" یعنی مجنی علیہا مراد ہے، فلا تعارض۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مجنی علیہا کے قتل کے بعد جانیہ کا بھی انتقال ہوگیا ہو۔

"وقضى بدية المرأة على عاقلتها": باب کی حدیث ثالث اس بات کی دلیل ہے کہ دیت قتل خطا یا شبہ عمد میں عاقلہ پر ہوگی۔ احناف کے نزدیک عاقلہ سے مراد قاتل کے اعوان وانصار ہیں، جب کہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک عصبہ مراد ہیں۔

يُطَلُّ: خون کو رائیگاں قرار دینا۔ "سجعة": مقفی کلام۔ "أندي": ہمزہ استفہام کا ہے، ندي: ودى يدي سے، جمع متکلم کا صیغہ ہے۔

"ملاص المرأة": سے جنین مراد ہے۔

كتاب الحدود

باب حد السرقة

چوری کی سزا

ترجمۂ حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چور کا ہاتھ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں کاٹتے تھے۔

لغات

''حد'' کا لغوی معنی روکنا ہے۔ چوکیدار کو بھی ''حداد'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ درحقیقت حد "حاجز بين الشيئين "کو کہا جاتا ہے۔

حدود کا اطلاق نفس معاصی اور منکرات پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں حدود سے مراد معاصی اور منکرات ہیں: ﴿تلك حدود الله فلاتقربوها﴾.

اصطلاحا:"عقوبة مقدرة من الله تعالى".

اصطلاح شرع میں ''حد'' اس متعین سزا کا نام ہے جو شریعت نے حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمائی۔

سات جرائم کے معاملے میں سزائیں مقرر ہیں۔

۱۔قتل، ۲۔سرقہ، ۳۔قطع طریق، ۴۔شرب خمر، ۵۔زنا، ۶۔قذف، ۷۔ارتداد

باقی جرائم کی سزائیں حاکم وقت کی طرف مفوض ہیں، ان کو ''تعزیر'' کہا جاتا ہے، ان میں ترمیم وتخفیف کی جاسکتی ہے۔

"السرقة": خفیہ طریقے سے کسی شخص کے مال محفوظ کو لے لینا۔

چوری کا نصاب

نصاب سرقہ (چوری کے نصاب) میں شدید اختلاف ہے۔ ا۔ سرقہ کے لئے کوئی نصاب متعین نہیں، قلیل وکثیر پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ مذہب داؤد ظاہری، خوارج اور ابوعبدالرحمٰن شافعی کا ہے۔

۲۔ نصاب سرقہ ایک درہم ہے، یہ قول عثمان بستی اور ربیعہ الرائے کا ہے۔

۳۔ نصاب سرقہ دو درہم ہے۔ اسے قتادہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے۔

۴۔ نصاب سرقہ تین درہم ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے، لیکن ان کا صحیح قول ربع دینار کا ہے، اگرچہ تین درہم ربع دینار سے زائد ہوں۔

۵۔ نصاب سرقہ سونے میں ربع دینار، اور چاندی میں تین درہم ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ سے ہے۔

۶۔ نصاب سرقہ تین درہم ہے، نہ کہ ربع دینار، یہ قول لیث بن سعد مصری اور ابوثور کا ہے اور ایک روایت امام احمدؒ سے بھی یہی ہے۔

۷۔ نصاب سرقہ ربع دینار ہے، نہ کہ تین درہم۔ یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔

۸۔ نصاب سرقہ چار درہم ہے۔ یہ قول سیدنا ابوہریرۃ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کا ہے۔

۹۔ نصاب سرقہ پانچ درہم ہے۔ یہ مذہب سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا ہے۔

۱۰۔ نصاب سرقہ دس درہم یا ایک دینار ہے۔ یہ مذہب امام صاحب، صاحبین، عطاء بن ابی رباح اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔

۱۱۔ نصاب سرقہ چالیس درہم ہے، یا چار دینار ہے۔ یہ قول ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں نصاب سرقہ ربع دینار یا تین درہم ہے اور ان کا مستدل حدیث الباب ہے، احناف کے ہاں نصاب سرقہ دس درہم یا ایک دینار ہے۔

احناف کے دلائل

۱۔ باب کی چھٹی حدیث سے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "أن يد السارق لم تقطع علىٰ عهد النبي صلى الله عليه وسلم في أقل من ثمن المِجَنِّ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ". کہ عہد رسالت میں چور کا ہاتھ جحفہ یا ترس ڈھال کی قیمت سے کم (کی چوری) میں نہیں کاٹا جاتا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں اجمال ہے، تفصیل سنن نسائی کی روایت میں ہے: "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: "كان ثمن المِجَنِّ علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يُقَوَّمُ عشرةَ دراهم". یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ نسائی، مستدرک للحاکم

۲۔ عن أيمن قال: "لم تكن تقطع اليد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا في ثمن المِجَنِّ وقيمته يومئذ دينار". (سنن النسائي)

۳۔ "عن ابن عباس قال: "قطع رسول الله صلى الله عليه وسلم يد رجل في مِجَنٍّ قيمتُه دينار أو عشرة". (سنن أبي داود)

٤۔ "عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تقطع يد السارق في مادون ثمن المجن". قال عبد الله: "وكان ثمن المجن عشرة دراهم". مصنف ابن ابی شیبہ

۵۔ "عن ابن مسعود قال: "كان لا تقطع اليد إلا في دينار أو عشرة دراهم". مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی

٦۔ عن علي رضي الله عنه قال: "لا يقطع في أقل من دينار، أو عشرة دراهم".

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اضطراب ہے، بایں طور کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو امام بخاریؒ نے تین طرق سے نقل کیا ہے، دو میں ڈھال کی قیمت کے نصاب ہونے کا اور ایک روایت میں ربع دینار کے نصاب ہونے کا بیان ہے۔ امام نسائیؒ نے دو طریق سے ان کی روایت نقل کی ہے، ایک میں ڈھال کی قیمت اور پھر ربع دینار (بطور قیمت) کا بیان ہے اور ایک میں اولاً ڈھال کی قیمت کا بیان ہے اور پھر ڈھال کی قیمت سے متعلق استفسار پر جواباً آپ رضی اللہ عنہا نے ربع دینار کو بیان کیا ہے۔ ان تمام روایات کو دیکھنے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اصل حدیث مرفوع یہ ہے کہ نصاب سرقہ ڈھال کی قیمت ہے، رہی بات ربع دینار کی تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اور ان کی تفسیر ہے، مگر رواۃ نے اختصاراً دونوں جزؤوں کو ایک کر دیا، یا یہ کہا جائے گا کہ رواۃ نے حدیث موقوف کو بھی مرفوع بنا دیا۔

دوسرا یہ ہے کہ حدیث عائشہ مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی تقویم بھی حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایات کے خلاف ہے، البتہ دس درہم کی مقدار متفق علیہ ہے، اس سے کم میں اختلاف ہے کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں، تو ہم متفق علیہ کو لے لیں گے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیں گے، کیونکہ معاملہ حدود ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

یا یہ ابتدائی زمانہ پر محمول ہے، جب نصاب سرقہ قطعی طور پر متعین نہ تھا، بلکہ قلیل وکثیر میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ الغرض احناف کا مذہب احوط ہے، اس لئے کہ احناف اس کو مہر پر قیاس کرتے ہیں کہ کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم ہے اور علت مشترکہ عضو کی پامالی ہے۔

"يسرق البيضة فتقطع يده، ويسرق الحبل فتقطع يده": اہل ظواہر اور خوارج کا مستدل یہ حدیث پاک ہے، اس بات پر کہ سرقہ کا کوئی نصاب متعین نہیں۔ جمہور کی طرف سے ایک جواب یہ ہے کہ یہاں ''بیضۃ'' سے ''خود'' اور ''حبل'' سے وہ ''رسی'' مراد ہے جس سے کشتی باندھی جاتی ہے، مرغی کا انڈہ اور عام رسی مراد نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام مبالغہ پر محمول ہے، كقوله عليه السلام: "من بنى لله مسجدا ولو كَمَفْحَصِ قطاةٍ ....." کہ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی، اگر چہ وہ فاختہ کے گھونسلے کے برابر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے عوض جنت میں گھر بنائیں گے۔

باب قطع السارق شريفا كان أو وضيعا

چور شریف ہو یا وضیع ہاتھ کاٹا جائے گا

ترجمۂ حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مخزومیہ عورت کے چوری کرنے نے قریش کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے کہا: اس چیز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون کلام کر سکتا ہے اور اتنی جرأت کون کر سکتا ہے، مگر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں وہ اس مسئلہ میں کلام کر سکتے ہیں۔

بالآخر حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے متعلق گفتگو کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کرتا ہے''، پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب کوئی شریف آدمی ان میں چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور ایسا کام کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا''۔

شرح حدیث

علامہ عینیؒ اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود بن عبد الاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو مخزوم ہے، یہ اسلام لا چکی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر انہوں نے بیعت بھی کی تھی، بت خانے سے انہوں نے چوری کا ارتکاب کیا۔ عدی بن ثابت فرماتے ہیں کہ انہوں نے زیورات چوری کئے تھے، یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا، یہ ابو سلمہ کی بھتیجی تھیں۔

بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ مخزومی عورت ام عمرو بنت سفیان ہے، یہ بنت عبدالعزیز کی بیٹی ہیں۔ ان کا حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا تھا، انہوں نے کپڑے کا صندوق چوری کیا، لوگوں نے پکڑ کر باندھ دیا اور صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دامن میں پناہ لی، بامر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ کو ان سے چھڑایا گیا اور کاٹ دیا گیا۔ یہ وہاں سے اسید بن حضیر کی بیوی کے پاس پہنچیں، اس نے پہچان لیا اور ٹھکانہ دیا اور خاطر مدارت کی۔ جب اسید بن حضیر گھر پہنچے تو انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی بیوی سے کہا کہ تم جانتی ہو کہ ام عمرو بنت سفیان کے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے کہا: وہ میرے پاس ہے، تو حضرت اسید نے جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے فرمایا: "رحمتها رحمك الله" کہ تو نے اس پر رحم کیا، اللہ تجھ پر رحم کرے۔

"التي سرقت": ابن ماجہ کی روایت میں چادر اور ابن سعد کی روایت میں زیورات چوری کرنے کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ زیورات چادر میں تھے۔

"حِبّ": حاء کے کسرے کے ساتھ، یعنی محبوب۔

"الذین من قبلکم": سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جیسا کہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

"أتشفع في حد": حدیث پاک کے اس جملے سے استدلال کرتے ہوئے علماء فرماتے ہیں کہ حدود میں سفارش جائز نہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے سفارش جائز ہے۔ ان کی دلیل مرسل روایت ہے: "لا تشفعُ في حد؛ فإنَّ الحدود إذا انتهتْ إليَّ فليس لها مَتْرَكٌ" کہ حدود میں سفارش مت کرو، کیونکہ جب کوئی حد مجھ تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ابن سعد

سنن ابی داؤد میں ''عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ'' کی سند سے روایت ہے: "تَعَافَوُا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ" کہ حدود آپس ہی میں چھڑا اور معاف کرا لیا کرو، پس جو کوئی حد مجھ تک پہنچ جائے گی تو وہ واجب ہو جائے گی۔

حدیث الباب سے استدلال کرتے ہوئے امام صاحب، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حاکم کے پاس معاملہ پہنچنے کے بعد مقذوف اگر قاذف کو معاف بھی کر دے، تب بھی حد جاری کی جائے گی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ معاف کرنا مطلقاً جائز ہے اور اس کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اس میں شبہ آ گیا اور "الحدود تندرئ بالشبہات".

جواب یہ ہے کہ حاکم کے پاس پہنچنے کے بعد حد میں اتنا استحکام آ جاتا ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

"تستعير المتاع وتجحده": کہ عاریتاً مال و سامان لیتی اور جب دینے کا وقت آتا تو مکر جاتی۔ یہ جملہ باب کی حدیث ثالث میں ہے۔ یہ ماقبل روایات کے خلاف

ہے کیونکہ ان میں چوری کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، مگر یہ جواب نہایت کمزور ہے، کیونکہ جحودِ عاریت پر قطع ید نہیں، صحیح جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس عورت کی ایک اور خصلت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس حدیث پاک کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے اسحاق بن راہویہ، ابن حزم ظاہری اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جحود عاریت موجب قطع ہے۔ جمہور کے نزدیک جحود عاریت موجب قطع نہیں، ان مستدل سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں ہے: "لیس علیٰ خائنٍ ولا مختلسٍ ولا منتهبٍ قطعٌ".

باب حد الزنا

حد زنا کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو، مجھ سے سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ایک راہ نکال دی کہ جب کنوارہ، کنواری سے زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور (اگر مصلحت ہو تو) ایک سال کے لئے ملک سے باہر کردو، اور اگر شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ، پھر رجم کرو۔

شرح حدیث

غیر شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے؟

اس بارے میں تین اقوال ہیں:

۱۔ غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور یہ مجموع من حیث المجموع حد ہے۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔

۲۔امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غیر شادی شدہ زانی مرد کی سزا تو یہ ہے کہ جو مذکور ہوئی، البتہ غیر شادہ شدہ زانیہ کو صرف کوڑے مارے جائیں گے، جلاوطن نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عورت حفاظت وصیانت کی محتاج ہوتی ہے۔

۳۔حضرات طرفین کے نزدیک زانی باکر اور زانیہ باکرہ کو بطور حد صرف اور صرف سو کوڑے لگائے جائیں گے۔

تغریب عام: یہ عام سیاسی حکم ہے اور حاکم وقت کی طرف مفوض ہوتا ہے، اگر مصلحت سمجھے تو جلاوطن کردے، ورنہ نہیں، ائمہ ثلاثہ ومن وافقہم کا مستدل حدیث الباب ہے۔

احناف کے دلائل:

۱۔ ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما﴾ الآية [النور: ۲]. اس آیت میں تغریب عام کا کوئی ذکر نہیں۔اس پر علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" میں یہ اعتراض کیا ہے کہ تغریب عام کی احادیث حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں اور ایسی احادیث کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی عند الاحناف بھی جائز ہے، تو لہذا التغریب عام کو حد کا جزء ہونا چاہیے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ تغریب عام کے دلائل کا حد شہرت کو پہنچنا تسلیم نہیں، اسلئے کہ یہ حدیث تین صحابہ عبادۃ بن صامت، ابو ہریرۃ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس سے یہ خبر آحاد سے نہیں نکلتی۔دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ سزا بطور سیاست اور تعزیز کے دی ہو۔

۲۔ "عن إبراهيم النخعي قال: قال عبدالله بن مسعود في البكر يزني بالبكر: "يُجلدان مائة ويُنفيان سنة" ...... وقال علي: حسبهما من الفتنة أن يُنفَيَا" کہ ان کو مزید فتنے میں مبتلا کرنے کے لئے انہیں جلاوطن کردینا کافی جائے۔

مصنف عبدالرزاق

اگر تغریب جزء من الحد ہوتی تو حضرت علی یوں نہ فرماتے۔

۳۔ "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "من زنیٰ جلد وأُرسل" کہ جس نے زنا کیا اس کو کوڑے لگائے جائیں اور چھوڑ دیا جائے۔ رواہ ابن حزم فی المحلیٰ

٤۔ "عن أبي هريرة رضي الله عنه وزيد بن خالد رضي الله عنه قالا: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الأمة إذا زنت، ولم تحصن؟ قال: إذا زنت فاجلدوها، ثم إن زنت فاجلدوها، ثم إن زنت فاجلدوها، ثم بيعوها ولو بضفير" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر باندی بار بار زنا کرے تو اسے بار بار کوڑے لگائے جائیں گے، تیسری مرتبہ کے بعد مولیٰ کو چاہیے کہ اسے بیچ دے، اگر چہ گھٹلی کے دانے کے عوض۔ رواہ البخاری ومسلم

اگر تغریب حد کا جزء ہوتی تو جلد کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہوتا اور مولیٰ کو زانیہ باندی کے فروخت کرنے کا حکم نہ ہوتا، کیونکہ تغریب کے بعد مشتری کے سپرد کرنا متعذر ہے۔

٥۔ "عن ابن المسيب قال: غرّب عمر رضي الله عنه ربيعة بن أمية بن خلف في الشراب إلى خيبر، فلحق بهرقل فتنصر، فقال عمر: لا أغرب بعده مسلما". کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے کے جرم میں ربیعہ کو کوڑے مارے اور اس کے بعد اسے جلاوطن کر دیا، جس کے نتیجے میں ربیعہ نصرانی بن گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد میں کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ مصنف ابن ابی شیبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جلاوطن کرنا تعزیز ہے، حد کا جزء نہیں۔

ائمہ ثلاثہ اس مسئلے میں عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ تغریب عام میں زنا کا سد باب

ہے۔احناف فرماتے ہیں کہ اس میں فتح بابِ زنا ہے۔

"جلد مائة والرجم": حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے حسن بصری، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ثیب زانی کو رجم کے ساتھ سو کوڑے بھی لگائیں جائیں گے۔
جمہور کے نزدیک ثیب زانی کو رجم کیا جائے گا، کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔

دلیل حضرت رفاعہ غامدیہ اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے۔ خوارج نے رجم کی سزا کا انکار کیا ہے، لیکن جمہور صحابہ اور امت کا ثیب زانی کے رجم پر اجماع ہے۔

علامہ جصاص رازی ''احکام القرآن'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خدشہ کا اظہار فرمایا تھا: "قد خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل: لَا نجد الرجم في كتاب الله" کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد کہنے والے یہ کہیں گے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی سزا نہیں پاتے۔

اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی تخریج کیا ہے۔

الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة

موَطا کی روایت میں ہے: "والَّذيْ نفسي بيده، لَوْ لَا أنْ يقولَ النَّاسُ: زَادَ عمرُ فِيْ كتابِ الله لَكَتَبْتُها". حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم لوگ آیت رجم میں معاملہ میں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالنا، کیونکہ ایسے لوگوں کا نکلنے کا ڈر ہے جو رجم کا انکار کریں گے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے لوگوں کی طرف سے اس طعن کا خوف نہ ہوتا ہے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر ڈالا تو میں یقیناً اس آیت کا کتاب اللہ میں اضافہ کر دیتا۔

عند البعض یہ آیت منسوخ التلاوۃ دون الحکم ہے، لیکن اس باب میں وارد روایات

سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت تورات کی یا بنی اسرائیل میں نازل ہونی ے والی کتب میں سے کسی ایک کتاب کی ہے اور ہماری شریعت میں اس کو باقی رکھا گیا ہے۔اس کی تائید جابر بن زید کی روایت سے ہوتی ہے، جسے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن صوریا اعور کو بلایا جو یہود میں کا سب سے بڑا عالم تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ کا واسطہ دے کر زنا کی سزا سے متعلق دریافت کرتے رہے، یہاں تک کہ اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہم تورات میں یہ آیت پاتے ہیں:

"الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموها البتة".

"ما نجد الرجم في كتاب الله": یعنی صراحتاً رجم کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں، نہ کہ احادیث صحیحہ میں، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ سورۂ مائدۃ کی آیت: ﴿وكيف يحكمونك وعندهم التوراة فيها حكم الله ......﴾ الآية [المائدة: ۷۳] میں "حکم" سے رجم ہی مراد ہے۔

"وإن الرجم في كتاب الله حق": حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورۂ نساء کی آیت: ﴿أو يجعل الله لهن سبيلا﴾ [النساء:۱۵] ہے۔دوسرا ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت مراد ہے۔

بعض لوگوں نے اشکال کیا کہ رجم کی سزا آیت ﴿الزانية والزاني فاجلدوا﴾ سے منسوخ ہے، لیکن یہ مجرد اعتراض ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں۔

سورۂ نور کی یہ آیت غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر ۵ یا ٦ ہجری میں نازل ہوئی اور رجم کے جتنے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں، وہ ۵ھ کے بعد کے ہیں اور ناسخ ومنسوخ میں قانون یہ ہے کہ ناسخ متاخر الوجود، جب کہ منسوخ متقدم الوجود ہوا کرتا ہے، لہذا نسخ کا قول محض سفسطہ ہے۔

اگر کوئی لڑکی بدون زواج حاملہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

"أو كان الحبل": حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لڑکی کو رجم کیا جائے گا۔ دوسری دلیل مصف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "يا أيها الناس! إن الزنا زناآن: زنا سر وزنا علانية، فزنا السر أن يشهد الشهود، وزنا العلانية أن يظهر الحبل أو والاعتراف". کہ ایک زنا خفیہ ہے اور ایک زنا علانیہ ہے، سری کے اثبات کے لئے گواہ ضروری ہے اور علانیہ کے لئے علامت حمل کا ظاہر ہونا یا زانیہ کا اعتراف کرنا ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ محض ظہور حمل کی بناء پر رجم نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا گواہ گواہی دے دیں۔ جمہور کا مستدل مصنف عبدالرزاق میں طارق بن شہاب کی روایت ہے: "بلغ عمر أن امرأةً متعبدةً حملت. فقال عمر: أراها قامت من الليل تصلي فخشعت فسجدت فأتاها غاو من الغواة، فتحشمها، فأتته، فحدثته بذلك سواء، فخلى سبيلها".

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ایک عابدہ عورت حاملہ ہوگئی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ وہ تہجد گزار ہے، خشوع وخضوع والی ہے، پس کسی گمراہ کرنے والے نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اسے شرمندہ کر دیا ہے۔ وہ عورت حضرت عمر کے پاس آئی، سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

حدیث الباب کا امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے اتنی بات مستفاد ہوتی ہے کہ حمل اگر زنا کی بناء پر ہو تو رجم واجب ہے اور بات بھی یہی ہے، لیکن اس کے لئے زنا کا ثابت ہونا ضروری ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ اس میں زنا کی قسموں کا بیان ہے۔ محض ظہور حمل کی بناء پر حد کا ثبوت

ہونا لازم نہیں آتا۔

باب من اعترف علیٰ نفسہ بالزنا

جس نے خود پر زنا کا اعتراف کیا

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: مسلمانوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منہ پھیر لیا، یہاں تک کہ اس نے چار بار مکرر یہی بات کہی، جب اس نے چار مرتبہ اپنے آپ گواہی دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا لیا اور فرمایا کہ کیا تو مجنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محصن ہو؟ کہا: جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لے جاؤ اور سنگسار کردو۔

ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے آدمی نے بتلایا جس نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اسے سنگسار کیا۔ ہم نے اسے سنگسار کیا جنازہ گاہ میں، جب اسے پتھر سخت لگے تو وہ بھاگا، یہاں تک کہ ہم نے اسے حرہ (سنگلاخ زمین) میں جا پکڑا اور اسے مکمل سنگسار کر دیا۔

"رجل من المسلمين": سے مراد ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

"حتىٰ ثَنّىٰ ذٰلِكَ": تکرار کرنا۔

"أربع مرات": ثبوتِ حد کے لئے ایک مرتبہ اقرار کافی ہے، یا چار مرتبہ اقرار

کرنا ضروری ہے؟ امام مالک، امام شافعی، ابوثور، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقرار سے حد ثابت ہو جاتی ہے۔ ان حضرات کا مستدل امرأۃ غامدیہ (سبعیہ) کی حدیث ہے، اس میں چار مرتبہ اعتراف کا کوئی ذکر نہیں۔

امام صاحب، امام احمد، ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ثبوتِ حد زنا کے لئے چار مرتبہ اقرار ضروری ہے، باب کی پہلی حدیث اور چوتھی حدیث ان حضرات کا مستدل ہے، پھر امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار چار مختلف مجالس میں ہونا ضروری ہے۔ امام صاحبؒ کا مستدل باب کی گیارھویں حدیث ہے۔ امام احمد اور ابن ابی لیلیٰ کے ہاں چار مرتبہ اقرار ضروری ہے، مگر چار مختلف مجالس ضروری نہیں، ان کا مستدل پہلی حدیث الباب ہے۔ احناف کے دلائل فریقین کے مقابلے میں مفصل ہیں اور مفصل کو مجمل پر ترجیح ہوتی ہے۔

"فرجمناه بالمصلیٰ": جنازہ گاہ مراد ہیں۔

"أعضل": یہ لفظ باب کی حدیث رابع میں وارد ہے۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رجل أعضل، عضیل" مضبوط پٹھوں والے اور پر گوشت آدمی کو کہتے ہیں۔

"له نبیب کنبیب التیس": بکرے کا شہوت کے وقت آواز نکالنا۔ مراد یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی شہوتوں کو ان عورتوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جن کے شوہر اللہ کے راستے میں جہاد میں جا چکے ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض منافقوں نے ایسا کیا ہو۔

"بالعظم و المَدَرِ وَالْخَزَفِ": "عظم" بمعنی ہڈی۔ "مدر" بمعنی مٹی کا ڈھیلا اور "خزف" بمعنی ٹھیکری۔ باب کی حدیث ثامن ہے۔

"عُرضَ الْحَرَّةِ": "عرض" بمعنی جانب اور طرف اور "حرہ" کالے پتھر والی زمین کو کہتے ہیں۔

"بجلامید": "جلود" یا "جلمود" کی جمع ہے، بمعنی سنگلاخ پتھر۔

"فَاسْتَنْكَهَهُ": منہ کو سونگھنا۔ یہ لفظ باب کی گیارھویں حدیث میں ہے۔

"حَفَرَ لَهُ حُفْرَةً": یہ جملہ باب کی بارھویں حدیث میں ہے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے بھی گڑھا نہیں کھودا جائے گا، نہ مرد کے لئے اور نہ عورت کے لئے۔ امام ابو یوسف، قتادہ، اور ابو ثور رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے لئے گڑھا کھودا جائے گا۔ شوافع فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے گڑھا نہیں کھودا جائے گا، عورت کے بارے میں تین اقوال ہیں: ا۔ مستحب، ۲۔ نہ مستحب نہ مکروہ، بلکہ حاکم کو اختیار ہوگا، ۳۔ اگر ثبوتِ زنا بینہ سے ہے تو گڑھا کھودنا مستحب، ورنہ نہیں۔ اور احناف کا مذہب مختار یہ ہے کہ مرد کے لئے گڑھا نہیں کھودا جائے گا، اور عورت کے لئے کھودا جائے گا۔

"صاحب مکس": اس سے مراد ناجائز ٹیکس ہے، چنگی والا۔

"امرأة من جهينة": راجح قول یہ ہے کہ امرأۃ غامدیہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی اور عورت ہے۔

"فصلّى عليها": کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معروف کا صیغہ ہے اور اکثر راویوں نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ طبری نے اسے مجہول کے صیغے کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے امام مالکؒ واحمدؒ فرماتے ہیں کہ مرجوم کے جنازے میں امام المسلمین اور اہل فضل کو جانا مناسب نہیں، حضرات احناف وشوافع فرماتے ہیں کہ امام المسلمین اہل فضل کو ساتھ لے کر جنازے میں شریک ہو۔ یہ حضرات معروف والی روایت سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح اگلی روایت میں ہے: "ثم صلى عليها".

اور اس پر قرینہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا ہے: "تصلي عليها وقد زنت".

"عسيفا": مزدور کے معنی میں ہے۔

باب رجم اليهود وأهل الذمة في الزنا

یہودیوں اور ذمیوں کو زنا میں رجم کرنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودیہ عورت کو لایا گیا، جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے، حتی کہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا کہ تم تورات میں (زنا کی سزا) کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو زنا کار مرد و عورت کے چہروں کو کالا کر کے انہیں اونٹ پر سوار کرتے ہیں اور دونوں کا رخ مخالف سمتوں میں کر دیتے ہیں، پھر ان کو چکر لگواتے ہیں، (یہ انہوں نے جھوٹ کہا، اس لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تورات لاؤ، اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ وہ تورات لائے اور اسے پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ جب رجم کی آیت پر پہنچے تو پڑھنے والے نوجوان نے اس سے آگے اور پیچھے کی عبارت تو پڑھ لی اور آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو پہلے یہود کے بڑے عالم تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، نے فرمایا کہ اس نوجوان کو حکم دیں کہ اپنا ہاتھ اٹھا لے، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت موجود تھی، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم فرمایا تو انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی سنگسار کرنے والوں میں شامل تھا، میں نے دیکھا کہ مرد عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے خود کو آگے کرتا تھا۔

مسئلہ: محصن کو رجم کرنے کے لئے اسلام شرط ہے یا نہیں؟ امام صاحبؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رجم کے لئے اسلام شرط ہے، یہی قول عطاء بن ابی رباح، مجاہد اور امام

ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک رجم کے لئے اسلام شرط نہیں۔ان حضرات کا مستدل حدیث الباب ہے،جس میں یہودیوں کو رجم کیا گیا۔

احناف کا مستدل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:"من أشرك بالله فليس بمحصن". حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کو یہ سزا تعزیرا دی گئی، نہ کہ حداً۔

"فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ": باب کی نویں حدیث میں ہے۔اس سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آقا کے لئے غلام یا باندی پر حد جاری کرنا جائز ہے۔احناف کے نزدیک حد قائم کرنا حاکم وقت کے ذمہ ہے۔آقا کے لئے اپنے غلام یا باندی پر حد قائم کرنا جائز نہیں۔طحاوی شریف میں ابوعبداللہ سے روایت ہے:"الزكاة والحد والفيء والجمعة إلى السلطان" کہ صدقات وزکوات،غنائم،حدود اور جمعات کے قیام کا ذمہ حکام کے سپرد ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہاں جلد سے مراد اسے حاکم کے پاس لے جانا ہے،تاکہ وہ اسے جلد کرے،یہاں مجازاً فعل کی نسبت مسبب کی طرف کی گئی ہے۔

باب حد الخمر

شراب کی حد کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو چھڑیوں سے تقریبا چالیس مرتبہ مارا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہے،

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

شرح حدیث

شارب خمر کی حد میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام صاحب، امام مالک، امام اوزاعی، حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شارب خمر کی حد اسی کوڑے ہے۔ امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ شارب خمر کی حد چالیس کوڑے ہے۔

ان کا مستدل حدیث الباب ہے۔

احناف کی ایک دلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "مَن شرب بِسُقَّةِ خَمرٍ فَاجلِدُوہُ ثمانینَ". (طحاوی)

۲۔ "عن الحسن مرسلا أن النبي صلى الله عليه وسلم ضرب في الخمر ثمانين". (مصنف ابن ابی شیبہ)

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شارب خمر کو اسی کوڑے مارے۔

۳۔ حدیث الباب بھی احناف کا مستدل ہے، کیونکہ اس میں جریدتین کا ذکر ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورے کے بعد اسی کوڑے کا حکم دیا۔ گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مسکر کا قلیل وکثیر حرام ہے، خواہ نشہ آئے یا نہ آئے، یہی قول حسن بصری، قتادہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا ہے۔ امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خمر کا قلیل وکثیر موجب حد ہے، البتہ دیگر اشربہ محرمہ اس وقت موجب حد ہیں جب وہ حد سکر کو پہنچ جائیں۔

"من الریف": باب کی تیسری حدیث ہے۔ مراد وہ جگہ ہے جو پانی کے قریب ہو۔

"أتـي بـالـولـيـد": یہ شخص ولید بن عقبہ بن ابی المعیط تھا، قریشی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگیا تھے، فصیح وبلیغ ادیب وشاعر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، پھر شرب خمر کے الزام میں ان کو معزول کر دیا تھا۔ ''رقہ'' میں ولید آخر عمر تک الگ تھلگ رہے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ایک مرتبہ فجر کی نماز میں دو رکعتیں پڑھائیں، سلام کے بعد کہنے لگے کہ دو اور پڑھادوں؟ یہ نشہ کا اثر تھا، جب شکایتیں زیادہ ہوگئیں تو حضرت عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں کوڑے ماریں، حضرت علی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارنے کا حکم دیا تو انہوں نے فرمایا: "ولِّ حـارهـا من تولىٰ قارّها" کہ جس نے خلافت اور حکومت کے مزے لوٹے ہیں، تو یہ مشقت والا کام بھی اسی سے کروائیں۔

"فـكـأنّـه وَجـدَ عليه": حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کی اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر حضرت عبداللہ بن جعفر کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

"لَـمْ يَتَـقَيّـأ": باب کی حدیث سادس ہے۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرات مالکیہؒ فرماتے ہیں کہ خمر کی قے کی گواہی موجب حد ہے، یہی روایت امام احمدؒ کی ہے۔ احنافؒ اور شوافعؒ کے نزدیک خمر کی قے کی گواہی موجب حد نہیں، اسلئے کہ اکراہ یا اضطرار کا احتمال پھر بھی موجود ہے۔

"ولِّ حارّها من تولّى قارّها": ''حار'' سے مراد اقامت حد ہے اور ''قار'' سے مراد خلافت ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عثمان اور ان کے اقارب خلافت سنبھالے ہوئے ہیں، ایسے ہی اقامت حد بھی ان کے ذمے ہے۔

مطلب یہ کہ حضرت عثمان بذات خود یا ان کا کوئی قریبی حد جاری کرے۔

"ما أجد منه في نفسي، إلا صاحب الخمر؛ لأنه إن مات وَدَيْتُهُ":

یہ باب کی ساتویں حدیث کا جملہ ہے۔

"أجد منه": بمعنی حزن وغم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حد لگاتے لگاتے کوئی مرجائے تو میں دل میں یہ محسوس نہیں کروں گا کہ میری طرف سے زیادتی ہوئی، کیونکہ وہ اسلامی حد کی زد میں آیا ہے، مگر شراب کی حد میں مجھے افسوس ہوگا، بلکہ میں اس کی دیت ادا کروں گا۔

یہ جملہ حضرت علیؓ نے احتیاطاً فرمایا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حد خمر تمام حدود میں نرم ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حد ہی نہیں۔

حدیث پاک کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام نے شارب خمر کو چالیس کوڑے سے زیادہ کوڑے لگائے اور مضروب مرگیا، تو امام کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور غیر سوط کی صورت میں کوئی دیت نہیں، جب کہ احناف کے نزدیک محدود کے مرجانے پر امام وقت پر کچھ لازم نہیں، بشرطیکہ اس نے اقامت حد کے احکامات کی رعایت کی ہو۔

"لم يَسُنَّهُ": یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کوڑے سے اسی کوڑے لگانے کا طریقہ جاری نہیں کیا۔

باب قدر أسواط التعزير

تعزیراتی کوڑوں کی مقدار کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرمار ہے تھے کہ "کسی کو دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں، مگر اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں"۔

شرح حدیث

ابو بردۃ: ان کا نام ہانی یا مالک ہے۔

تعزیری سزا دس کوڑے سے زیادہ دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ دس کوڑے سے زیادہ تعزیری سزا نہیں دی جاسکتی۔

دوسری دلیل: بخاری شریف میں حضرت ابو بردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "لاتَجلِدُوا فوق عشرةِ أَسْوَاطٍ إلا في حدٍ من حدودِ الله".

تیسری دلیل: ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "لاتُعَزِّرُوا فوق عشرةِ أسواطٍ".

چوتھی دلیل: بخاری میں ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "لايُجلد فوق عشر جلدات" کہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دس کوڑوں سے زیادہ بھی تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔ تفاصیل میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی ادنیٰ حد پر تعزیری سزا میں زیادتی نہیں کی جائے گی اور غلام کی ادنیٰ حد چالیس کوڑے ہے، لہذا انتالیس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے نزدیک آزاد کی ادنیٰ حد پر زیادتی نہیں کی جائے گی، پھر ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے اناسی کوڑوں کی ہے اور ظاہر الروایۃ پچھتر کوڑوں کی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تعزیری سزا امام کی صوابدید پر ہے، حتی کہ حد سے بھی زیادتی کی جاسکتی ہے، اسی کو شاہ صاحبؒ نے راجح قرار دیا ہے۔ اس بات پر دلیل

کہ دس کوڑوں سے بھی زیادہ تعزیری سزا دی جاسکتی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا قال الرجل للرجل: یا یهودي فاضربوه عشرین وإذا قال: یامخنث فاضربوه عشرین" کہ اگر کوئی مسلمان کو "یہودی" کہہ کر مخاطب کرے تو اسے بیس کوڑے لگاؤ، یا کوئی مسلمان کو "مخنث" کہہ کر بلائے تو اسے بھی بیس کوڑے مارو۔ (ترمذی)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرب خمر کی سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تعزیری تھی، دور فاروقی میں صحابہ کے اجماع کی وجہ سے حد بنی۔

حنابلہ کے مستدلات کا جواب یہ ہے کہ یہ غیر ولاۃ کی سزا پر محمول ہے، "کالأب والسید والزوج للابن والعبد والمرأة" کہ غیر ولاۃ دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حد سے مراد حدیث الباب میں حد اصطلاحی نہیں، بلکہ حق اللہ مراد ہے، یعنی معصیۃ عامۃ مراد ہے کہ اس میں دس کوڑوں سے تجاوز نہ کیا جائے۔

باب الحدود كفارات لأهلها

اس بیان میں کہ حدود گناہوں کا کفارہ ہیں

ترجمۂ حدیث: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا: مجھ سے اس چیز پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ اس نفس کو قتل کرو گے کہ جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ، لہذا جو کوئی تم میں سے اپنے اقرار کو پورا کرے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان محرمات میں سے اس کا ارتکاب کر بیٹھے تو پھر اسے سزا دی جائے تو وہ گناہ کا کفارہ ہے اور

جس نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا، پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے۔

شرح حدیث

"تبايعوني": "بيعة" سے ماخوذ ہے اور "بيعة" "بيع" سے ماخوذ ہے۔ "بیعت" کو بیعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مبادلہ الطاعات بالاجر والثواب ہوتا ہے۔

بیعت کی چار قسمیں ہیں: ۱۔ بیعت علی الاسلام، ۲۔ بیعت علی الجہاد، ۳۔ بیعت علی ترک المنکرات وامتثال المامورات، ۴۔ بیعت علی الخلافۃ

"ألا تشركوا بالله" [الأنعام: ۱۵۱]: جب صحابہ شرک کو ترک کر کے اسلام لائے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ترکِ شرک پر بیعت لے رہے ہیں، اس کا مطلب کیا ہے؟ جواب: شرک کی قباحت بیان کرنا مقصود ہے، کما قال اللہ: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ٦٥]، حالانکہ آپ سے شرک محال ہے۔

"فأجره على الله": یہاں "علی" وجوب کے لئے نہیں، بلکہ واجب کی طرح تحقق وقوع میں مبالغہ کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

"حدود" زواجر ہیں یا کفارات؟

اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ حدود مکفرات ہیں اور حدیث الباب ان کا مستدل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حدود زاوجر ہیں، مکفرِ ذنب توبہ ہے، نہ کہ حد، اس قول کو بعض نے احناف کی طرف منسوب کیا ہے، مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کو رد کیا ہے۔ ان کا مستدل قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جو محاربین اور قطاع الطریق کے بارے میں نازل ہوئیں:

﴿ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم﴾ [المائدة: ٣٣].

وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر حدود مکفرۃ ہوتیں تو آخرت میں عذاب نہ ہوتا۔

۲۔ ﴿والسارق والسارقة (إلى) فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فإن الله يتوب عليه﴾ الآية [المائدة: ۳۹]. معلوم ہوا کہ مغفرت کے لئے توبہ شرط ہے۔

۳۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد تاب توبة ......" یہ نہیں فرمایا: "لقد أجري عليه الحد ......" کہ ان پر حد جاری کردی گئی ہے، لہذا اب عذاب آخرت سے حفاظت ہے، بلکہ عذاب آخرت کا دور ہونا بوجہ توبہ ہے۔

۴۔ آپ کے پاس چور لایا گیا، ہاتھ کاٹنے کے بعد آپ نے فرمایا: "استغفرِ الله وتبْ عليه" اگر حد مکفر ذنب ہوتی ہے، تو آپ یوں نہ فرماتے۔

۵۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "لا أدري الحدود كفارات لأهلها أم لا؟" معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد کے مکفر ہونے کا فیصلہ نہیں فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اقامت حد کے بعد محدود اگر توبہ کرلے تو حد بالاتفاق کفارہ بن جاتی ہے، اور اگر توبہ نہ کرے تو پھر یا تو عبرت حاصل کر کے باز آجائے گا اور دوبارہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا، تب بھی کفارہ ہے اور اگر حد جاری ہونے کے بعد بھی اس میں منہمک رہتا ہے تو یہ حد اس کے لئے کفارہ نہیں۔

"إن شاء عفا عنه وإن شاء عذبه": حدیث کے آخری ٹکڑے میں معتزلہ اور خوارج پر رد ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام اور مخلد فی النار ہے۔

ولَا يَعْضَهَ: باب کی تیسری حدیث میں ہے، بمعنی بہتان لگانا۔

باب جرح العجماء جبار والمعدن والبئر جبار

جانور کا زخم، اور کان اور کنویں کا نقصان رائیگاں ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانور کا زخمی کیا ہوا لغو ہے، اور کنواں لغو ہے اور کان لغو ہے اور رکاز میں خمس (پانچوں حصہ) واجب ہے۔

الفاظ حدیث کی وضاحت

"العجماء": "العَجَمُ" کی جمع ہے، بمعنی جانور۔

"جَرحها": بفتح الجیم" مصدر اور "بضم الجیم" اسم ہے۔

"جبار": ضائع وبے کار۔

اگر جانور نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا، یا کسی کھیتی کو نقصان پہنچایا اور اس کے ساتھ کوئی قائد، سائق یا راکب نہیں تو اس جانور کے مالک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، خواہ وہ جانور دن میں نقصان پہنچائے یا رات میں، اور اگر جانور کے ساتھ کوئی سائق یا راکب ہو تو اسی پر ضمان آئے گا۔ یہ مذہب احناف کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہدر کا حکم دن کے ساتھ خاص ہے اور اگر رات کے وقت کسی کو نقصان پہنچایا تو مالک ضامن ہوگا، اس لئے کہ لوگوں کی عادت رات کے وقت جانوروں کو باندھنے کی ہے، مالک نے نہ باندھ کر قصور کا ارتکاب کیا ہے۔

شرح حدیث

"البیر جبار": کوئی مزدور کنویں کی کھدائی کر رہا تھا، اس پر مٹی کا تودہ گرا اور وہ

ہلاک ہوگیا تو کنویں کے مالک پر ضمان نہیں ہوگا، یا کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا اور کوئی اس میں گر کر مر گیا تو ضمان نہیں، نیز اگر غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھودا تو عاقلہ پر دیت ہے اور کنواں کھودنے والے پر ضمان آئے گا۔

"والمعدن جبار": کان کی کھدائی کے دوران کوئی مزدور ہلاک ہوگیا یا کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہوگیا تو مالک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

"وفي الركاز الخمس": اس مسئلے کو سمجھنے کے لیئے ایک تمہید ہے۔

''کنز'' دفینۂ جاہلیت اور ''معدن'' قدرتی دھات اور دفینے کو کہتے ہیں۔ ''رکاز'' دونوں کو شامل ہے۔ رکاز میں خمس تب ہے جب یہ ارض مباحہ میں پایا جائے، اگر ارض مملوکہ میں ہے تو زکوۃ واجب نہیں۔ امام شافعی، امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ رکاز کا اطلاق صرف کنز پر ہوتا ہے، معدن پر نہیں ہوتا۔

ان کا مستدل حدیث الباب ہے: "والمعدن جبارٌ خالٍ عن الخمس".

دوسری دلیل یہ ہے کہ ''رکاز'' کا عطف ہے معدن پر اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے اور احد المتغائرین ایک دوسرے کا فرد نہیں ہوسکتا۔

احناف کے دلائل

۱۔ حدیث الباب ''رکاز'' سے فی مراد ہے اور کنز اور معدن اس کے فرد ہیں، کما صرح بہ أہل اللغۃ

۲۔ موطا امام محمدؒ کی روایت میں ہے: "وفي الركاز الخمس، فقيل: وما الركاز يا رسول الله؟ قال: الذهب والفضة الذي خلقه الله في الأرض يوم خلقت".

کہ رکاز اس سونے چاندی کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیدائش کے

وقت سے زمین میں پیدا کر رکھا ہے۔

۳۔ "عن عبد الله بن عمرو العاص رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: إذا وجدته في أرض خربة أو في قرية غير مسكونة ففيه الخمس".

کہ جب تم اسے (خزانے، معدنیات وغیرہ کو، یرآباد زمین میں یا کسی ایسے گاؤں میں جہاں کوئی نہیں رہتا تو اس میں خمس واجب ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں:

۱۔ کنویں یا معدن میں کوئی گر کر مر جائے تو اس کا خون ہدر ہے، "والمعدن جبار" کا تعلق اسی مسئلے کے ساتھ ہے، کیونکہ اگلی روایت میں "جرح" کی صراحت ہے۔

۲۔ معدن میں خمس ہے، "وفي الركاز الخمس" کا تعلق اسی مسئلے کے ساتھ ہے۔

نیز اس حدیث میں تین ایسی اشیاء کا بیان ہے جن میں تاوان وضمان معاف ہے، لہذا معدن سے یہاں خالی گڑھا مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا، اس کے بعد "رکاز" کا بیان ہے اور اب اس کا عطف بھی درست ہوگا، کیونکہ عطف کے لئے لفظی مغایرت بھی کافی ہے، تو گویا پہلے ظرف کا حکم بیان کیا ہے گڑھے میں کوئی گر گیا تو اس میں کچھ واجب نہیں اور پھر مظروف کا حکم بیان کیا کہ اس گڑھے سے خزانہ یا معدنیات نکلی اس میں خمس اوجب ہوگا۔

كتاب الأقضية

"الأقضية": قضاء کی جمع ہے، بمعنی حکم، فیصلہ، طے کرنا۔ اصطلاحا: "فصل الخصومات والمنازعات". ۲۔ الإخبار عن حكم شرعي على سبيل الإلزام.

اصطلاح شرع میں "قضاء" کہتے ہیں: "فریقین کے مابین نزاع کو ختم کرنے کے لئے کوئی حکم صادر کرنا"۔

باب الیمین علیٰ المدعی علیہ

اس بیان میں کہ قسم مدعی علیہ پر ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو وہ دلا دیا جائے جس کا وہ دعوی کرتے ہیں تو لوگ انسانوں کے خون اور مال کا دعوی کر بیٹھیں گے، لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے۔

شرح حدیث

حدیث الباب جمہور کا مستدل ہے اس بات پر کہ یمین ہر مال میں مدعی علیہ پر واجب ہے، جب کہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ محض دعوی کی بنیاد پر یمین مدعی علیہ پر لازم نہیں ہوگی، جب تک خلطہ نہ ہو، یعنی مدعی اور مدعی علیہ آپس میں معاملہ کرنے میں معروف نہ ہوں، یا کوئی قرینہ، مثلاً ایک گواہ اگر چہ عورت ہو، نہ پایا جائے۔

"فقضى باليمين على المدعى عليه": باب کی حدیث ثانی ہے۔ حدیث پاک سے استدال کرتے ہوئے احناف وحنابلہ فرماتے ہیں کہ یمین مدعی علیہ پر لازم نہیں، اگر وہ حلف اٹھالیتا ہے، تو اس کا ذمہ بری ہو جائے گا، ورنہ فیصلہ مدعی کے حق میں کر دیا جائے گا۔

مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک محض مدعی علیہ کے نکول یمین پر مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں دیا جائے گا، اتنی بات پر تو ان کا اتفاق ہے، مگر پھر امام مالک فرماتے ہیں کہ مال کی صورت میں یمین مدعی کی طرف لوٹے گی اور امام شافعی کے نزدیک ہر صورت میں یمین مدعی کی طرف لوٹے گی۔

ان حضرات کا مستدل دار قطنی اور مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی

روایت ہے:"أن النبي صلى الله عليه وسلم رد اليمين علىٰ طالب الحق"، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باعتبار سند ضعیف ہے، ابن حجر، ذہبی اور بیہقی نے اس پر کلام کیا ہے۔

باب وجوب الحكم بشاهد ويمين

گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کیا۔

حدیث الباب سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ، ربیعہ الرائے، عمر بن عبد العزیز، حسن، شریح اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مدعی کے پاس اگر ایک گواہ ہو تو دوسرے کی جگہ اس سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔

امام صاحب، شعبی، نخعی، اوزاعی، زہری اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ سے بات نہیں بنے گی۔

احناف کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے:﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ [البقرة: ۲۸۲] کہ مردوں میں سے دو گواہ طلب کرو۔

دوسری دلیل ﴿وأشهدوا ذوي عدل منكم﴾ [الطلاق: ۲] کہ اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بناؤ۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو گواہ کا ہونا ضروری ہے۔

تیسری دلیل حدیث مشہور ہے:"البينة على المدعي واليمين علىٰ من أنكر".

چوتھی دلیل: "عن وائل بن حجر قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم للحضرمي: ألك بينة؟ قال: لا. قال: فلك يمينه" کہ جب تمہارے پاس بینہ نہیں، تو

بس تمہارا مخالف قسم اٹھائے گا۔

حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ یحیٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظ نہیں، ترمذی رحمہ اللہ نے اسے منقطع قرار دیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے اور مستدلاتِ احناف قواعد کلیہ پر مشتمل ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ تشریعاً نہیں کیا تھا، بلکہ صلحاً تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ فیصلہ مالِ غنیمت سے متعلق تھا اور اس میں تسامح سے کام لیا گیا تھا۔

مفتی ولی حسن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیری عبارت ہے: "قضی بیمین المدعیٰ علیه مع وجود الشاهد الواحد عند المدعي" کہ حضور علیہ السلام نے مدعیٰ علیہ کی قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا، جب کہ مدعی کے پاس ایک گواہ موجود تھا۔

باب الحكم بالظاهر واللحن بالحجة

ظاہر پر فیصلہ کرنا اور استدلال میں چالاکی کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ اپنی بات کو ثابت کرسکتا ہو اور میں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، پھر جس کو میں اس کے بھائی کا کوئی حق دلادوں وہ اسے دے، اس لئے کہ

میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں، (کیونکہ وہ غیر کا حق ہے)۔

شرح حدیث

"ألحن": معناه أبلغ و أفطن: مراد چرب لسان ہے۔

"فلا يأخذه": "شہادۃ الزور" میں جبکہ قاضی کو کذب شاہد کا علم نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ حدیث الباب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوگی، باطناً نافذ نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ املاک دو قسم پر ہے: ا۔ مقیدہ، ۲۔ مرسلہ

۱۔ املاك مقيده

کوئی شخص کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اور سبب ملک بھی بیان کرے۔

۲۔ املاك مرسله

کوئی شخص کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اور سبب ملک بیان نہ کرے۔

امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک املاک مقیدہ میں قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً نافذ ہوتی ہے، جبکہ املاک مرسلہ میں قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہوتی ہے، نہ کہ باطناً۔

اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ امام ابو یوسف و امام زفر بھی ہیں۔

احناف کی ایک دلیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے: "بلغنا عن علي كرم الله وجهه أن رجلاً أقام عنده بينةً على امرأةٍ أنه تزوجها فأنكرت فقضى له بالبينة، فقالت: إنه لم يتزوجني، فأما إذا قضيت علي فجدد نكاحي. فقال: لا أجدد نكاحك، الشاهدان زوّجاك".

ایک شخص نے کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعوی کیا اور عورت نے انکار کیا، مرد نے اپنے دعوے پر گواہ پیش کر دیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بینہ کی وجہ سے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ عورت نے کہا کہ اگر آپ نے یہی فیصلہ کیا ہے تو پھر حقیقت میں میرا نکاح اس سے کر دیں، تاکہ گناہ نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نکاح کی ضرورت نہیں، ان گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ لعان کے بعد قاضی جب زوجین میں تفریق کرتا ہے تو عورت کو نکاح کرنے کی اجازت ہے، جب کہ حقیقت میں زوجین میں سے کوئی ایک جھوٹا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضاء قاضی ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوتی ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ املاک مرسلہ پر محمول ہے، کیونکہ ابوداؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جھگڑا میراث کے بارے میں تھا اور میراث (بوجہ میراث کے انشاء کو قبول نہ کرنے کے) عندالاحناف املاک مرسلہ میں سے ہے۔

باب: قضية هند

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا قصہ

ترجمۂ حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ، ابوسفیان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو، اگر میں ان کے مال میں سے ان کی لاعلمی میں لے لوں تو اس صورت میں مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اس کے مال سے دستور کے موافق اتنا

لے سکتی ہے جو کہ تیرے لئے بھی کافی ہو اور تیرے بیٹوں کی بھی کفایت کرے۔

فوائد حدیث

ا۔ بیوی کے نفقہ کا وجوب، ۲۔ اولاد صغار کے نفقہ کا وجوب، ۳۔ نفقہ کا تعلق کفایت کے ساتھ ہے، ۴۔ عورت کا نامحرم سے مسئلہ پوچھنا

عورت کو نفقہ کتنا ملے گا؟

احناف فرماتے ہیں کہ اگر زوجین دونوں موسر ہوں تو عورت کو مالداروں والا نفقہ ملے گا اور اگر زوجین معسر ہوں تو غریبوں والا نفقہ ملے گا اور اگر زوج موسر ہو اور زوجہ معسرہ ہو تو درمیانہ نفقہ ملے گا، یعنی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تیسری صورت میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا، لقولہ تعالیٰ: ﴿لينفق ذوسعة من سعته﴾ [الطلاق: ۸].

احناف فرماتے ہیں کہ اس آیت سے عورت کی حالت کے اعتبار کی نفی لازم نہیں آتی۔

اس حدیث پاک سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عورت کے ایک خادم کا خرچہ خاوند پر واجب ہے، اس لیے کہ ہند نے اسی بارے میں شکایت کی تھی اور عند البعض دو خادموں کا خرچہ واجب ہے: (ا) گھر کے امور کے لیے، (۲) باہر کے امور کے لیے، مگر راجح قول پہلا ہے۔

أهل خِبَاء

اونٹ کے بالوں یا اون سے بنا ہوا خیمہ۔

وأيـضـاً: یہ باب کی حدیث ثانی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"وأيـضـاً" جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اور زیادہ تجھ کو محبت ہوگی جب اسلام کا نور تیرے دل میں ہوگا۔
"مِسَيكٌ": میم کے فتحہ اور سین کی تخفیف کے ساتھ ،میم کے کسرہ اور تشدید سین کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، ثانی زیادہ مشہور ہے۔

باب النهي عن قيل وقال و كثرة السؤال

قیل وقال اور کثرت سوال سے ممانعت

ترجمۂ حدیث: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے اور تین ناپسند"۔
"پسند یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو"۔
"اور تمہاری فضول اور بیہودہ بکواس کرنے اور بکثرت سوال کرنے اور اضاعت مال سے ناخوش ہوتا ہے"۔

شرح حدیث

قیل وقال، یہ دو طریقوں سے ضبط کیا گیا ہے

۱۔لام مفتوحہ کے ساتھ بدون تنوین کے،

۲۔منصوب تنوین کے ساتھ مصدریت کے بناء پر قیلاً ،وقالاً۔

حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ کثرت کلام کی کراہت، لوگوں کی باتیں

کثرت کے ساتھ نقل کرنے کی کراہت اور امورِ دینیہ میں کثرت کے ساتھ بحث و مباحثہ کی طرف۔

کثرت سوال

''کثرت سوال'' سے یا تو مراد مال کا سوال ہے یا امور مشکلہ یا معضلہ کے بارے میں سوال مراد ہے۔

جن لوگوں نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے ان میں پھر اختلاف ہے:

۱- مسائل غیر ضروریہ کا سوال　۲- اپنے ساتھی کے ذرائع معاش کے بارے میں سوال

اضاعتِ مال

مال کو ضائع کرنا حرام ہے۔ اضاعتِ مال کی کثرت سوال کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ انسان کے متاع میں سب سے قیمتی چیز ''وقت'' ہے، پس اگر کوئی اس وقت کو فضول گوئی اور بے فائدہ باتوں میں ضائع کرتا ہے تو اس کا ضیاع مال کے ضیاع سے زیادہ سخت ہے۔

والدین کی نافرمانی

باب کی تیسری حدیث ہے۔ ماں کا ذکر خاص طور پر کیا، حالانکہ نافرمانی تو باپ کی بھی جائز نہیں، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اکثر ماں کی نافرمانی ہوتی ہے، ماں کا تذکرہ بطور خاص اس لئے کیا، کیونکہ وہ زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے، یا پھر اس لیے کہ وہ صنف نازک ہے۔

ومنعًا: "المنع" هو الامتناع عن أداء حقٍ لَذِمَه.

''منع'' کا مطلب ہے کہ جس حق کی ادائیگی آپ کے ذمہ لازم ہے آپ اس کو ادا کرنے سے انکار کریں۔

"هاتِ": اسم فعل ہے، بمعنی "أعط" أي: طلب ما لا يستحق أخذه.

کہ ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جس کو لینے کا حقدار نہیں۔

باب: كراهية قضاء القاضي وهو غضبان

قاضی کا غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے

ترجمۂ حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد جب وہ سجستان کے قاضی تھے، نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کی طرف خط لکھا کہ دو آدمیوں میں غصہ کی حالت میں فیصلہ مت کرو، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمار ہے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

وهو غضبان

''غضبان'' سے مراد ہر وہ حالت ہے جس کی وجہ سے غلطی میں پڑ جانے کا امکان ہو، مثلاً بہت زیادہ سیر ہو، بہت بھوکا ہو، غمگین ہو، بہت خوش ہو، قضائے حاجت کی ضرورت ہو، دل کسی کام میں اٹکا ہوا ہو، وغیرہ۔

باب: نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور

احکام باطلہ اور بدعات کوختم کرنے کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جوشخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے (بدعت نکالے) جو اس دین سے نہیں، تو وہ (بات) مردود ہے''۔

شرح حدیث

''من أحدث'': أي: ابتدع في الإسلام بدعة کہ جس نے اسلام میں کوئی بات ایجاد کی۔ بدعت سنت کی ضد ہے۔

اصطلاحاً: ''البدعةُ طريقةٌ في الدين مخترعةٌ تُضاهِي الشرعيةَ، يُقصد بالسلوكِ عليها مَا يُقصد بالطريقةِ الشرعيةِ''، کہ دین اسلام میں نو ایجاد چیز کو داخل کر دیا تو وہ بدعت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حجبت التوبة عن صاحب البدعة'' کہ بدعتی انسان سے توبہ کو چھپالیا جاتا ہے۔

مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ''هیچ از بدعت نیست بدعت حسنه نیست'' بدعتی آدمی سنت سے محروم رہتا ہے۔

مزید خرابی یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ادعائے نبوت ہے۔

بدعت کی باعتبار لغت پانچ قسمیں ہیں:

۱-واجب، جیسے صرف ونحو کا سیکھنا فہم قرآن وحدیث کے لیے۔

۲-حرام، فرق باطلہ کے عقائد باطلہ۔

۳-مستحب، جیسے مسافر خانے اور خانقاہوں کا بنانا۔

۴-مکروہ، جیسے مصافحہ بعد الفجر والعصر (عند الشوافع مباح ہے)۔

۵-مباح، کھانے پینے کی اشیاء میں توسیع کرنا۔

باب: بیانُ خَیرِ الشُّھود

بہترین گواہوں کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بہترین گواہ نہ بتلا دوں اور وہ وہ ہیں جو شہادت کے مطالبہ سے قبل ہی گواہی دے دیں۔

شرح حدیث

اشکال: جامع ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "ثُمَّ یَفشُو الکِذبُ حتی یَحلِفَ الرَّجُلُ وَلَا یُستَحلَفُ وَیَشھَدَ الشَّاھِدُ وَلَا یُستَشھَدُ".

اس روایت سے شہادت قبل الطلب کی مذمت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں شہادت قبل الطلب میں قیامت کی علامات میں شمار کیا ہے، جبکہ حدیث الباب شہادت قبل الطلب کے محمود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں شہادت قبل الطلب سے مراد شہادت قبل از تحمل ہے، بایں معنی کہ کوئی تحمل شہادت سے پہلے یا یوں کہا جائے کوئی شخص معاینہ کئے بغیر کسی بات کی جھوٹی گواہی دے، تو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں

ایسی گواہی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

باب: اختلاف المجتهدين

مجتہدین کے اختلاف کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو عورتیں اپنا اپنا بچہ لئے جا رہی تھیں، اتنے میں بھیڑیا آیا اور ایک کا بچہ لے گیا۔ ایک نے دوسری سے کہا کہ تیرا ہی لڑکا لے گیا ہے، وہ بولی کہ تیرا لے کر گیا ہے، بالآخر دونوں اپنا فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کرانے کے لئے آئیں، انہوں نے بچہ بڑی عورت کو دلا دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان کے سامنے تمام واقعہ بیان کیا، انہوں نے کہا کہ چھری لاؤ، تم دونوں کو میں دو ٹکڑے کر کے دے دیتا ہوں، چھوٹی بولی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، ایسا مت کرو، بڑی ہی کو دے دو، چنانچہ آپ نے بچہ چھوٹی کو دلا دیا۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! سکین (چھری) کا لفظ میں آج ہی سنا ہے، ہم اسے "مدية" کہتے ہیں۔

اشکال: اس سے نقضِ قضاءِ قاضی اول لازم آتا ہے اور قضاء علی القضاء درست نہیں۔

جواب: ۱- داؤد علیہ السلام نے فتویٰ دیا تھا، فیصلہ نہیں کیا تھا۔

۲- ممکن ہے ان کی شریعت میں نقضِ قضاء قاضی جائز ہو۔

۳- سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ نہیں فرمایا تھا، بلکہ اظہارِ حق اور انکشاف

حقیقت کے لئے ایک حیلہ فرمایا تھا، جب حق ظاہر ہوئی اور بڑی نے اقرار کرلیا تو آپ نے اس کے اقرار کے مطابق فیصلہ فرمایا، اس لیے کہ اقرار حجت ملزمہ ہے، اگرچہ فیصلہ کے بعد ہو۔

كتاب اللقطة

لقطہ کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور لقطہ کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چیز کا بندھن اور تھیلا پہچان رکھو، پھر ایک سال تک اسے مشہور کرو، اگر مالک آجائے تو فبہا، ورنہ اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے دریافت کیا کہ گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ بھولے بھٹکے اونٹ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے تجھے کیا مطلب، اس کے ساتھ اس کی مشک (پیٹ میں پانی) ہے اور اس کا جوتا بھی اس کے ساتھ ہے، پانی پیتا ہے، درخت کھاتا ہے، حتی کہ اس کا مالک آکر پکڑ لیتا ہے۔

شرح حدیث

"جاء رجل": ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی کا نام سوید الجہنی ہے۔

"اللقطة": وہ گری پڑی چیز جس کا مالک معلوم نہ ہو، اگر یہ جانور ہو تو اسے ''ضالہ'' اور لاوارث بچہ ہو تو اسے ''لقیط'' کہتے ہیں۔

لقطہ اٹھانے کا حکم

اس بارے میں تین قول ہیں:

۱-- لا یحل رفع اللقطة أصلا کہ لقطہ اٹھانا جائز نہیں۔

۲-- یجوز الرفع ولکن الترك أفضل، جائز ہے، مگر ترک افضل ہے۔

۳-- الرفع أفضل من الترك کہ اٹھانا ترک کے مقابلے میں افضل ہے۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔

پھر احناف کے ہاں اس میں مزید وضاحت ہے، وہ یہ کہ اگر ضائع ہونے کا ڈر ہو تو اٹھانا مباح ہے اور اگر اپنے لیے اٹھانا ہے تو حرام ہے۔

"عِفَاصٌ" وہ تھیلی جس میں خرچہ کی رقم ہو۔

ثم عَرِّفْها سَنَةً (مدت تشہیر کتنی ہے؟)

سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور احناف کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر لقطہ کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو چند دن اس کی تشہیر کرے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد ہو تو ایک سال تشہیر کرے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے لیے کوئی مدت متعین نہیں، بلکہ یہ مبتلیٰ کی رائے پر موقوف ہے، کیونکہ چیزوں اور قیمتوں کے اختلاف سے مدت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ اسی کو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے۔ اسی کی طرف صاحب ہدایہ اور ابن ہمام کا میلان ہے۔ اس قول کو صاحب درمختار نے بھی پسند کیا ہے۔

امام احمدؒ، شعبیؒ، سعید بن المسیبؒ، امام مالکؒ اور فی روایة امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تشہیر کی مدت ایک سال ہے۔ یہی قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

راجح شوافع اور اکثر مالکیہ کا قول ہے کہ شئے حقیر میں ایک سال تک تشہیر واجب نہیں، بلکہ اس وقت تک تشہیر کرے جب تک اسے گمان ہو کہ فاقد اسے تلاش کر رہا ہے اور شئے خطیر میں ایک سال تشہیر واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث الباب ہے۔

احناف کی ایک دلیل باب کی نویں حدیث ہے جس میں تین . . تشہیر کا حکم ہے۔ دوسری طرف مصنف عبدالرزاق میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "إذا وجدت لقطة فعرفها على باب المسجد ثلاثة أيام" کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند دن تشہیر کا کہا، اسی مصنف میں ایک اور روایت ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ اٹھانے والے صحابی ایک سال تشہیر کا حکم فرمایا۔ ان تمام احوال یہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی یقینی مدت متعین نہیں، بلکہ یہ سب مبتلیٰ بہ کے رائے پر ہے۔

استعمال لقطہ کا حکم

ملتقط تشہیر کے بعد استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

امام صاحب اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ملتقط اگر فقیر غیر ہاشمی ہے تو اس کے لیے لقطہ کا استعمال جائز ہے اور اگر ملتقط غنی ہاشمی ہے تو اس کے لیے لقطہ کا استعمال جائز نہیں، بلکہ وہ اسے صدقہ کر دے۔

حضرات شوافعؒ اور حنابلہؒ کے ہاں ملتقط کے لیے لقطہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے، چاہے وہ مالدار یا ہاشمی ہی کیوں نہ ہو۔

امام مالک سے دونوں روایتیں ہیں۔

احناف کے دلائل

۱ – عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تحل اللقطة. من التقط شيئًا فليعرّفه فإن جاء صاحبها فليردها إليه، فإن لم يأت فليتصدق بها ......" إلخ. رواه الطبراني

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ اٹھانے والے کو لقطے کی تشہیر اور مالک کے آنے کی صورت میں لقطے کی واپسی اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

۲-ابن ماجہ میں عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں ہے: "فهو مال الله يؤتيه من يشاء" کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے مال کا مستحق فقیر ہوتا ہے۔

۳-ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "ليتصدق بها الغني ولا ينفع بها" کہ چاہیے کہ مالدار اس کو صدقہ کردے اور اسے اپنے استعمال میں نہ لائے۔

٤ – وفي رواية: "ولتكن وديعة عندك" اسے چاہیے کہ مالک کے آنے تک ودیعت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے۔

نوٹ: کبار صحابہ کے آثار بھی احناف کے مؤید ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل ابوداؤد شریف میں ابی بن کعبؓ کی روایت ہے، جس میں ہے: "وإلا فاستمتع بها" اُبی بن کعب مالدار تھے، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں استمتاع کا حکم دیا۔

دوسری دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:" أن عليّ بن أبي طالبٍ وَجَدَ ديناراً فأتى به فاطمةَ فسألت رسول الله، فقال هو رزق الله، فأكل منه رسولُ الله وأكل عليٌ وفاطمةُ فلما كان بعد ذلك أتته امرأةٌ تُنْشِدُ الدّينارَ فقال رسولُ الله! يا على ادّ الدينار". معلوم ہوا کہ ہاشمی لقطہ استعمال کرسکتا ہے۔

پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا تمام اوقات میں مالدار ہونا ثابت نہیں ہے، دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابی بن کعب پر صدقہ کیا تھا۔

دوسرے استدلال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں اسے ''معلول'' قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق نے اسے مضطرب قرار دیا ہے باعتبار متن کے، کیونکہ بعض میں ''امراة تنشد'' اور بعض میں ''غلام ينشد'' ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ لقطہ کو اٹھانا کبھی تو بغرض حفاظت ہوتا ہے اور کبھی بغرض استعمال ہوتا ہے، بغرض استعمال اٹھانے کی صورت میں اٹھانے والے کا قبضہ ''قبضۂ ضمان'' کہلاتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعے میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی غرض سے قبضہ کیا اور اس میں تصرف کیا کہ مالک کے آجانے کی صورت میں بدل ادا کردیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے سیاق وسباق میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو استعمال ہی نہیں کیا تھا، بلکہ بطور

وثیقہ جزار سے خریدے ہوئے گوشت کے عوض رہن رکھوادیا تھا، (جیسا کہ ابوداؤد کی مفصل روایت میں ہے)۔

چوتھا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ نفلی صدقات بنو ہاشم کے لیے اکثر فقہاء حنفیہ کے ہاں جائز ہیں۔

"فغضب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم": باب کی حدیث ثانی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی وجہ یا تو سائل کا سوءِفہم تھا یا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ فرمایا کہ آپ نے اس سے پہلے لقطہ اٹھانے سے منع فرمایا تھا۔ ایک تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مسائل مفروضہ میں سوال کی کثرت کی بناء پر آپ نے غصہ فرمایا۔

"فأعطها أياه: باب کی چھٹی حدیث ہے۔ حدیث پاک کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے حضرات مالکیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص لقطہ کی تمام صفات درست طور پر بیان کردے تو ملتقط پر واجب ہے کہ وہ شے اس آدمی کے حوالے کردے، اگرچہ اس کے پاس بینہ نہ ہو۔

احناف اور شوافع کے نزدیک حدیث الباب اس صورت پر محمول ہے جب ملتقط کا ظن غالب ہو کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے، وگرنہ حدیث پاک میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ ملتقط پر ایسی صورت میں لقطہ کو اس شخص کے حوالے کرنا واجب ہے۔

باب في لقطة الحاج

حاجیوں کے لقطے کے بیان میں

جمہور کے نزدیک حل اور حرم کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرم کا لقطہ صرف حفاظت کی نیت سے اٹھانے کی اجازت ہے اور ہمیشہ اس کی تشہیر کرے۔امام شافعیؒ کا مستدل بخاری شریف کی روایت ہے:"لا تحل لقطتها إلا لمنشدٍ" کہ لقطہ صرف اس شخص کو اٹھانے کی اجازت ہے جو اس کی تشہیر کرے گا۔ جمہور کا مستدل ان احادیث کے عموم سے ہے جو لقطہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حرم کی تخصیص حدیث پاک میں اس وجہ سے ہے کہ ظاہراً حرم شریف اجنبیوں کی جگہ ہے تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہاں تشہیر کی ضرورت نہیں۔

باب: تحريم حلب الماشية بغير إذن مالكها

مالک کی اجازت کے بغیر بکریوں کا دودھ نکالنے کی حرمت کا بیان

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی تم میں سے دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ نکالے۔کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کوئی اس کی کوٹھڑی میں آئے،اس کا خزانہ توڑ کر اس کے کھانے کا غلہ نکال کر لے جائے۔اسی طرح ان کے جانوروں کے تھن ان کے خزانے ہیں،ان کے کھانے کے،لہذا کوئی کسی کے جانور کا بغیر اس کی اجازت کے دودھ نہ نکالے۔

شرح حدیث

"مَشْرُبَتُه": راء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بمعنی "غرفة" (کمرہ) ہے۔

جمہور کے نزدیک کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کا مال ومتاع اس کی اجازت اور طیب نفس کے بغیر لے۔ بعض حضرات نے اُکل وشرب میں مطلقاً جواز کا قول کیا ہے، چاہے طیب نفس معلوم ہو یا نہ ہو۔

ان کا مستدل سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "إذا أتى أحدُكم على ماشيةٍ ...... فإن لم يكن (صاحبها) فيها فليصوِّتْ ثلاثاً، فإنْ أجابَه فليستأذنه وإلا فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرِبْ وَلَا يَحْمِلْ".

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مالک اجازت نہ بھی دے تو دودھ نکال کر پی سکتا ہے۔ جمہور کا مستدل حدیث الباب ہے۔

دوسری دلیل مشہور حدیث ہے: "لا يحل مال امرئٍ مسلم إلا بطيب نفس منه".

حدیث سمرۃ کا جواب یہ ہے کہ حدیث نہی اصح ہے، کیونکہ اسے قرآن کریم کی آیت ﴿لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ کی تائید بھی حاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث جواز اس صورت پر محمول ہے جب آخذ کو ماخوذ منہ کی طیب نفس معلوم نہ ہو۔

تیسرا جواب ابن عربی مالکی نے دیا ہے کہ حدیث جواز کا تعلق اہل حجاز اور شام سے ہے کہ وہ ان چیزوں میں تسامح سے کام لیتے ہیں اور حدیث نہی کا تعلق ان کے علاوہ سے ہے۔

باب الضيافة

مہمان نوازی کا بیان

ترجمۂ حدیث: ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ تکلف کے ساتھ اپنے مہمان کی خاطر داری کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! تکلف کب تک کرے؟ فرمایا: ایک دن اور ایک رات، باقی مہمان تین دن تک ہے، پھر اس کے بعد جو مہمانی کرے وہ صدقہ (تبرع) ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ رب العزت پر ایمان رکھتا ہو اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔

"جائزتَه": مہمان کی آمد کے دن پر تکلف کھانے کا اہتمام کرنا۔

عند البعض رخصت کرتے وقت جو توشہ ساتھ کر دیا جائے۔

بعض کے نزدیک تحفے تحائف بھی دیئے جائیں۔

"فخذوا منهم حق الضيف الذي ينبغي لهم" باب کی آخری حدیث ہے۔ معنی یہ ہے کہ اگر تم کسی قوم میں قیام کریں اور وہ مہمان جیسا اہتمام تمہارے لئے کریں تو اسے قبول کرے، اگر بالکل اہتمام نہ کریں تو ان سے مہمان کا اتنا حق لے لو جیسا کہ ان کو کرنا چاہیے۔

ضیافت کا حکم کیا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضیافت جمہور کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔لیث بن سعدؒ او اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت واجب ہے۔

ان کا مستدل حدیث الباب ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت اہل بوادی پر واجب ہے اور اہل امصار پر واجب نہیں۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔جمہور کا مستدل "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه" ہے اور یہ موید بالتائید ہے،کما مر۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اضطرار پر محمول ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق عمال کے ساتھ ہے۔

جو لوگ جائزہ کو ضیافت کے ایام میں داخل مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ پہلے دن پر تکلف دعوت کرے،دوسرے اور تیسرے دن عام انتظام ہونا چاہیے،اب یہ جو پہلے دن کا پر تکلف کھانا تھا یہی اس کا انعام اور جائزہ ہے۔

"فلا يؤثمه": اس جملے سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مہمان میزبان پر بوجھ بن کر اسے گناہ گار نہ کرے،جب وہ جانتا ہے کہ میزبان کے پاس کچھ نہیں،پھر بھی وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے تو اس میں مہمان کے لئے تکلیف بھی ہے اور اس کو گناہ گار کرنا بھی ہے۔

باب خلط الأوزاد إذا قلت

جب توشہ کم ہوجائے تو سب ساتھی اپنا اپنا توشہ ملادیں

الفاظ حدیث کی وضاحت

في غزوة: اس سے غزوۂ تبوک مراد ہے، جس کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں۔

مزاودنا: "زادة" کی جمع ہے، بمعنی توشہ دان۔

"نِطَعاً": اس میں دو لغتیں ہیں: ۱۔ بکسر النون و فتح الطاء، یہ زیادہ فصیح ہے۔ ۲۔ بفتح النون وسکون الطاء، بمعنی چمڑے کا دستر خوان۔

کَرَبْضَةِ الْعَنْزِ: بکرے کے بیٹھنے کی جگہ۔

نُطْفَةٌ: بمعنی تھوڑا پانی۔

نُدَغْفِقُهٗ دَغْفَقَةً: بمعنی خوب پانی بہانا۔

فَرِغَ الْوَضُوْءُ: وضو ہو چکا ہے، یعنی اب پانی ختم ہو چکا ہے جس سے وضو کیا جائے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو واضح معجزے ہیں۔ (۱) تکثیر الطعام (۲) تکثیر الماء

مازریؒ فرماتے ہیں کہ اس معجزے کی صورت یہ تھی کہ جب بھی اس میں سے کوئی جز کھایا یا پیا جاتا تو فوراً اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا اجزء پیدا فرما دیتے۔

معجزات کی دو قسمیں ہیں: (۱) منقول متواتر، جیسا قرآن، (۲) تکثیر طعام و شراب جیسے معجزات۔

پھران کا ثبوت دوطریقوں سے ہے: (۱) تواتر معنوی کے ساتھ، (۲) کسی صحابی یا دیگر صحابہ کی موجودگی میں امر عجیب کی روایت کرنا اور ان کا اس پر سکوت کرنا، یہ بھی اس معجزے کی صحت کی دلیل ہے۔

كتاب الجهاد

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے جہاد کی مشروعیت اظہر من الشمس ہے:

١ – ﴿يا أيهاالنبي جاهد الكفار والمشركين﴾ [التحريم: ٩]

٢ – ﴿يا أيها النبي حرض المومنين على القتال﴾ [الأنفال: ٢٥]

٣ – ﴿لا يستوي القاعدون من المؤمنين غير أولي الضرر والمجاهدون في سبيل الله﴾ [النساء: ٩٥].

٤ – عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر". (رواه أبو داود)

ترجمۂ حدیث: ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے نافع کو لکھا کہ کیا لڑائی سے پہلے کفار کو دین کی دعوت دینا ضروری ہے؟ حضرت نافع نے جواب دیا: یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا، اس حالت میں کہ وہ بے خبر تھے اور ان کے جانور پانی پی رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے لڑنے والوں کو قتل کیا اور باقی کو قید کیا اور اسی روز حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہاتھ آئیں۔

نافع نے بیان کیا کہ یہ حدیث مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کی اور وہ اس لشکر میں شریک تھے۔

شرح حدیث

''کتاب الجہاد'' کی تمام روایات مشروعیتِ جہاد پر دال ہیں۔ احکام شرعیہ کا دار و مدار مفہومات لغویہ پر ہرگز نہیں، بلکہ مفہومات اصطلاحیہ وشرعیہ پر ہے، مثلاً صلوۃ لغت میں دعا اور تحریک صلوین کو کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص لغوی معنی پر عمل کر کے کہتا ہے کہ اس نے نماز پڑھ لی، تو اس سے اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، بلکہ یہ شخص گمراہ سمجھا جائے گا۔ اسی طرح صوم وحج وغیرہ۔ اسی طرح جہاد بھی ایک فریضہ ہے، اس کا ایک مفہوم لغوی ہے اور ایک اصطلاحی۔

لغوی معنی: مشقت اور جد وجہد کے ہے۔

اصطلاحاً: اس کی تعریف سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے: ۱- قيل: وما الجهاد؟ قال: أن تقاتل الكفار إذا لقيتهم. قيل: فأي الجهاد أفضل؟ قال: مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وأُهْرِيقَ دَمُهُ. كنز العمال

کہ سب سے افضل جہاد اس شخص کا ہے جس کا گھوڑا لڑائی کے دوران مارا جائے اور پھر خود اس کا بھی خون بہایا جائے۔

۲- قيل: يا رسول الله! ما الجهاد في سبيل الله؟ قال: تقاتل الكفار. (مسند الإمام أحمد)

۳- حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں رقم طراز ہیں: الجهاد بكسر الجيم أصله: "المشقة"، وشرعاً: بذل الجهد في قتال الكفار.

کہ لغوی معنی ''مشقت برداشت کرنا'' اور شرعی معنی ''کفار سے لڑائی میں اپنی قوت صرف کرنا''۔

۴-علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''ارشاد الساری'' میں لکھتے ہیں: "قتال الكفار لنصرة الإسلام وإعلاء كلمة الله".

کہ جہاد اسلام کی مدد اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کی خاطر کفار سے لڑائی لڑنا ہے۔

۵-الجهاد هو القتال بأعداء الإسلام (قاموس)

جہاد کی دو قسمیں ہیں: ۱۔فرض عین (دفاعی)، ۲۔فرض کفایہ (اقدامی)

جہاد اقدامی کی صورت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت مہم جوئی کرے، تاکہ اسلام کو غلبہ اور شان وشوکت حاصل ہو۔اس کے لیے چند شرائط ہیں:

۱-ولی کی اجازت، ۲-نفیر عام، ۳-طاقت کا توازن اور، ۴-دعوت إلی الاسلام

کفار کی دعوت کے لئے تین مختصر جملے ہیں:

۱- أَسْلِمُوْا ۲- وإلا فأَدُّوْا الْجِزْيَةَ ۳- وإلا فالقتال

اور یہ دعوت بھی تب ہے جب عالم کفر کو اسلام کی دعوت کسی طریق سے نہ پہنچی ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعوت اطراف عالم میں پہنچ چکی ہے، البتہ جو لوگ دور دراز میں ہوں اور ان تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان سے قبل الدعوۃ قتال جائز نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ دار الاسلام کے اڑوس پڑوس میں رہتے ہیں، ان کو دعوت دینا قطعاً جائز اور ضروری نہیں، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان کون ہیں، کیا ہیں اور کیوں لڑتے ہیں؟

احناف فرماتے ہیں کہ دعوت کے دو طریقے ہیں: (۱) ایک آدمی یا وفد بھیج دیا جائے، یہ دعوت حقیقی ہے۔ (۲) کسی بھی ذریعے سے اسلام کا پیغام پہنچ جائے، یہ دعوت حکمی ہے۔

غزوہ احد و خندق کو نکال کر باقی سب کے سب غزوات اقدامی ہیں۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہ نے جتنی لڑائیاں لڑی ہیں، شام، مصر و فارس، کابل حتی کہ ملتان تک یہ سب کی سب اقدامی ہیں۔

دوسری قسم جہاد دفاعی ہے، جسے فرض عین کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے کسی علاقے پر چڑھائی کریں، ان کو قتل کریں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کریں تو وہ علاقے والے فرعونی طاقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کے لیے کوئی شرط نہیں۔ عورت اپنے شوہر اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

وجود خلیفہ بھی ضروری نہیں، صرف نفیر عام کی شرط ہے اور اس صورت میں دعوت بھی ساقط ہے۔

صاحب بحر رائق لکھتے ہیں: "امراةٌ مسلمةٌ سُبِيَتْ بالمشرقِ وَجَبَ على أهلِ المغرب تخليصها من الأَسْرِ مَا لم تدخلُ دارَالحربِ؛ لأَنَّ دارَالإسلام كَمَكَانٍ واحدٍ".

کہ اگر کوئی مسلمان عورت کافروں نے مشرق میں قید کر لی تو مغرب تک تمام مسلمانوں پر اس کو کافروں کی قید سے چھڑانا فرض عین ہے۔

یہاں پر بعض لوگوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ اگر سب پر جہاد فرض ہو اور سب

نکل گئے تو مسلمانوں کا نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا۔

اس کا جواب فتح القدیر میں یہ ہے کہ خروج الی القتال نفیر عام کی صورت میں خروج علی سبیل التبادل ہے۔ بہر حال جہاد فرض ہے۔ دفاعی اور اقدامی اس کے معروضی حالات میں۔

سنن ابی داود میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "جاهِدوا المشركينَ بأموالِكم وأنفسِكم وألسنتِكم" کہ کفار سے اپنے اموال، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

اس حدیث کے پیش نظر علماء نے جہاد کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

امام راغب لکھتے ہیں: والجهاد ثلاثة أضربٍ: مجاهدة العدو الظاهر، ومجاهدة الشيطان، ومجاهدة النفس.

ایک قسم ظاہری دشمن، جیسے کفار وغیرہ سے لڑنا، دوسری قسم شیطان سے لڑنا، تیسری قسم نفس سے لڑنا۔

"رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر":

اس کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں، بلکہ یہ ابراہیم بن عبلہ نامی شخص کا مقولہ ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "هذا الحديث باطلٌ لا أصل له" کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، یہ باطل ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب "فتاوی عزیزیہ" میں رقم طراز ہیں کہ میں نے کتب حدیث میں اس حدیث کو نہیں پایا اور یہ حدیث اس لیے بھی نہیں کہ اس کے الفاظ

درست نہیں، البتہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس سے ملتی جلتی حدیث نقل کی ہے، لیکن ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

باب: تأمير الإمام الامراء وعلى البعوث ووصيته إياهم

امام کالشکر کے لئے امراء کومقرر کرنا اوران کووصیت کرنا

ترجمۂ حدیث: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کوکسی لشکر یا کسی چھوٹی جماعت کا امیر بناتے تو اسے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم کرتے اوراس کوساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کرنے کا حکم فرماتے، پھرارشادفرماتے: اللہ تعالیٰ کا نام لے کرخدا کی راہ میں جہاد کرنا، جو شخص خدائے قدوس کا منکر ہواس سے لڑنا، خیانت نہ کرنا، کسی کے ناک کان نہ کاٹنا، اورکسی بچہ کوقتل نہ کرنا اورجب مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہوتوانہیں تین امورکی دعوت دینا اوراگروہ کوئی امرقبول کرلیں توتم بھی ان سے (صلح) کرلینا اورلڑنے سے باز رہنا، پھرانہیں اسلام کی دعوت دینا، اگروہ مان لیں توتم بھی ان سے اسلام قبول کرلینا اورجنگ سے باز رہنا، اس کے بعدانہیں دعوت دینا کہ اپنا مقام چھوڑکرمہاجرین کے مقام میں آجائیں اوران سے کہہ دینا کہ اگرتم ایسا کروگے تونفع اورنقصان میں مہاجرین کے برابر کے شریک ہوگے، اگروہ مکان کے تبدیل کرنے سے انکارکریں تو کہہ دینا ایسی صورت میں تمہاراحکم دیہاتی مسلمانوں کے طریقہ پرہوگا، جوحکم الٰہی دیہاتی مسلمانوں پرجاری ہے وہی تم پربھی نافذ ہوگا اوراگرمسلمانوں کے ساتھ جہادمیں شریک نہ ہوگےتو مال غنیمت اورمال صلح میں سے تمہیں کچھ حصہ نہ ملے گا، اوراگروہ اسلام سے بھی انکارکردیں توان سے جزیہ طلب کرنا، اگروہ مان لیں توتم بھی قبول کرلینا اورجہاد سے باز رہنا، اوراگروہ انکارکریں توخداتعالیٰ سے مدد کے

طلب گار ہو کر ان سے جہاد کرنا، اور اگر کسی قلعہ کا تم محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے رسول کا ذمہ لینا چاہیں تو تم خدا اور خدا کے رسول کا ذمہ نہ دینا، بلکہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دینا، کیونکہ اگر تم اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ سے پھر جاؤ گے تو یہ اتنا سخت نہ ہوگا جتنا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کا عہد توڑنا سخت ہوگا، پھر اگر تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے چاہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق باہر نکل آتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر باہر نہ نکالنا، بلکہ اپنے حکم پر نکالنا، اس لئے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تجھ سے پورا ہوتا ہے یا نہیں۔

حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے حضرات احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ غیر اہل کتاب، یعنی عبدۃ الاوثان وغیرہ سے بھی جزیہ لیا جائے گا، البتہ امام صاحبؒ مشرکین عرب اور مجوس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ غنی پر اڑتالیس درہم، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ درہم میں ہیں۔ یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہل الذہب پر چار دینار اور اہل الفضہ پر چالیس درہم ہیں۔ عند الشافعیؒ جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار ہے اور زیادہ سے زیادہ جس پر صلح ہو جائے۔

باب: جواز الخداع في الحرب

لڑائی میں دھوکہ دینے کے جواز کے بیان میں

ترجمۂ حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لڑائی حیلہ اور دھوکہ ہے۔

خَدْعَةٌ: اس میں تین لغات ہیں:

١ - خَدْعَةٌ: بفتح الخاء وسكون الدال.

۲- خِدْعَةٌ: بكسر الخاء وسكون الدال .

۳- خَدَعَةٌ: بفتح الخاء والدال .

پہلی لغت زیادہ راجح ہے۔

جنگ کے دوران بعض حضرات نے حقیقی کذب کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا مستدل ترمذی شریف میں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: "لا يحل الكذب إلا في ثلاث: يُحَدِّثُ الرجلُ امراته لِيُرْضِيَهَا، والكِذْبُ في الحَرْبِ، والكِذْبُ لِيُصْلِحَ بينَ النَّاسِ".

احناف اس قسم کی روایات کو تعریض اور کنایہ پر محمول کرتے ہیں۔

باب: كيفيه قسمة الغنيمة بين الحاضرين

حاضر مجاہدین کے درمیان غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے مال میں سے دو حصے گھوڑے کو دیئے اور ایک حصہ آدمی کو دیا۔

ائمہ ثلاثہ، صاحبین، عمر بن عبدالعزیز، ثوری، لیث بن سعد اور اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فارس کو مال غنیمت میں سے تین حصے ملیں گے۔ ایک حصہ خود کا اور دو حصے گھوڑے کے۔ ان کا مستدل حدیث الباب ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فارس کو دو حصے ملیں گے، ایک حصہ خود کا اور دوسرا گھوڑے کے لیے۔

امام صاحب کے دلائل

۱- مصنف ابن ابی شیبہ اور دار قطنی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"أن رسول الله جعل للفارس سهمين وللراجل سهما".

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کے لئے دو سہم اور پیادے کے لئے ایک سہم متعین کیا ہے۔

۲-عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي أنه أسهم للفارس سهين وللراجل سهما. (رواه دارقطني)

۳-ابوداؤد میں مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے: وفيه فأعطى الفارس سهمين وأعطى الراجل سهما.

ان حدیثوں میں بھی یہی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو سہم دیئے اور پیادے کو ایک سہم دیا۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ آپ نے فارس کو تین حصے دیئے، مگر ان میں سے ایک حصہ بطور نفل تھا، جس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "قَسَمَ في النَّفَلِ" دال ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اصل لفظ "فـــارس" ہے، تسہیلا الف کو حذف کردیا گیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت مقدرہ ہے:

"قَسَمَ للفَرَسِ ولصاحبه سهمين".

کہ گھوڑے اور گھوڑے کے مالک کے دو حصے مقرر کئے، یعنی ایک گھوڑے کے لئے اور ایک اس کے مالک کے لئے۔

☆☆☆☆☆☆